خصوصی گوشہ
منتخب شعرائے مرہٹواڑہ
(حصۂ دوّم)

ISSN 2320-6519
U.G.C. Approved No.42266 (Ex.)

سرزمین ولؔی اورنگ آبادی (دکن) سے جاری ہونے والا معیاری رسالہ

(سہ ماہی)

قارئین کی نیک تمناؤں کے ساتھ

عکسِ ادب

(اردو)
اورنگ آباد

Quarterly (Urdu)
AKS-E-ADAB
Aurangabad

شمارہ (۴۶) جلد (۱۳) جنوری تا مارچ ۲۰۲۴ء

بشرؔ نواز

ڈاکٹر غزالہ پروین

عائشہ فردوس

چشتی سلیم بیدردؔ

ڈاکٹر سلیم محی الدین

ذکی صدیقی

یوسف دیوان

اختر خان

منیر الدین منیرؔ

طاہر حسین طاہرؔ

رئیس عاجزؔ

شاکر خان شاکر

Quaterly Aurangabad
AKS-E-ADAB (Urdu)
email- akseadab@gmail.com

January to March 2024
MAHURD02321/13/1/2012-TC-Declaration Date : 21-09-2012
www.aksadaburdu.co.in

ISSN 2320-6519
Volume 13 Issue 46
U.G.C. Approved No.42266 (Ex.)

سیمینار بعنوان ''اکیسویں صدی اور اردو شاعری'' صدر شعبہ اردو ہما کوثر کی کنو ینز شپ میں 20 جنوری 2024 بمقام مہیلا مہاودیالیہ ناندیڑ میں منعقد ہوا۔ اس موقع پر ڈاکٹر یوسف صابر کا استقبال کرتے ہوئے اطہر کلیم ۔اسٹیج پر ڈاکٹر شبانہ درانی، پرنسپل ڈاکٹر وجیہ دیشمکھ، ڈاکٹر مسرت فردوس ودیگر معزز حضرات

بتاریخ 16 جنوری 2024 سٹی کالج مالیگاوں میں ماس کمیونیکیشن اسکیلز پر خصوصی لیکچر دیتے ہوئے ڈاکٹر یوسف صابر

نیشنل کالج ناسک کے سیمینار سے واپسی پر 17 فروری 2024 کو وندے بھارت ٹرین میں سفر کرتے ہوئے ڈاکٹر یوسف صابر

28 دسمبر 2024 کو حیدر گارڈن فنکشن ہال، دیگلور ناکہ، ناندیڑ میں لیاقت علی خان صاحب کی دختر نیک کے ولیمہ کے موقع پر ڈاکٹر یوسف صابر دولھے کو مبارک باد دیتے ہوئے۔ ساتھ میں سید سعود احمد، تنزیل احمد خان اور لیاقت علی خان صاحب۔

ڈاکٹر یوسف صابر اور سیدہ فرزانہ نسیم اپنی پیاری نواسی سیدہ عنایہ سحرش کی آٹھویں سالگرہ کے موقع پر۔ بتاریخ 21 جنوری 2024ء

Publisher, Editor & Owner Dr. Yousuf Khan Jabbar Khan (Dr. Yousuf Sabir), Printed at Noorani Press, Mirza Ghalib Road, Near Juna Faran Hospital, Malegaon-324203, Dist. Nasik (MS) and published at P.No.174, S.No.201, Savera Park, Behind Ibrahim Masjid, Jatwada road, Harsul, Aurangabad-431008 (MS)

سہ ماہی

عکسِ ادب

اورنگ آباد

(اردو)

جلد(۱۳) شمارہ(۴۶) جنوری تا مارچ ۲۰۲۴ء

مدیر اعلیٰ : ڈاکٹر یوسف صابرؔ (یوسف خان جبار خان) 09326772575

معاون مدیر : شرجیل احمد خان موبائل : 09595686784

اعزازی مدیر : ڈاکٹر مخشب مسعود موبائل : 09372012930

مینجنگ ڈائریکٹر : سیدہ فرزانہ نسیم موبائل : 09423877584

سرپرست

☆ڈاکٹر عبدالکریم سالار (جلگاؤں)

☆نور خاں (جالنہ)

مجلس مشاورت

☆علامہ ناوک حمزہ پوری (حمزہ پور)

☆علیم صبا نویدی (چنئی)

☆ڈاکٹر معصوم شرقی (کولکتہ)

☆ڈاکٹر فرحت حسین خوشدل

☆شفیع احمد شفیع (پربھنی)

☆ڈاکٹر درانی ایس۔ایم (ناندیڑ)

☆ڈاکٹر مبین نذیر (مالیگاؤں)

☆علیم طاہر (ممبئی)

مجلس ادارت

☆ڈاکٹر عقیلہ سید غوث

☆ڈاکٹر عظیم راہی

☆سید مسعود احمد قیصر

☆ڈاکٹر عابد حسین محمد صادق

☆وجاہت قریشی

☆طاہر حسین طاہر

☆ڈاکٹر شاہ ایاز

☆ڈاکٹر حبیب النساء

☆ڈاکٹر سلیم نواز حشر

☆ڈاکٹر ارشاد احمد خان

☆ابراہیم خان

جو کسی خواب نے دیکھا نہ تصور نے کہیں

بات تو جب ہے کہ انسان وہاں تک پہنچے

(ڈاکٹر یوسف صابر)

فی شمارہ	:	۵۰/روپے
زر سالانہ (بدست)	:	۲۰۰/روپے
زر سالانہ (بذریعہ پوسٹ)	:	۲۵۰/روپے
لائبریری کے لئے	:	۲۵۰/روپے
رجسٹرڈ پوسٹ	:	۳۰۰ روپے

سرکولیشن منیجر : تنزیل احمد خان (Mob. 09284747707)

خریداری اور اشتہار کے لئے منی آرڈر، چیک اس نام سے بھیجیں :

Yousuf Khan Jabbar Khan
Bank of Maharashtra
S/Ac/ No. 60021185230
IFSC code MAHB 0000278
SBI
S/Ac/No.SB 52068629025
IFSC code SBIN 0020786

مقام اشاعت/ترسیل زر/مضامین/تخلیقات سے متعلق خط وکتاب کا پتہ

Yousuf Khan Jabbar Khan
Editor: **Aks-e-Adab** *(Quarterly)*
P.No.174, S.No.201,
Savera Park, Behind Ibrahim Masjid, Jatwada Road,
Harsul, Aurangabad.
Dist. Post AURANGABAD (M.S.) 431008
Mobile: 09326772575
email : akseadab@gmail.com

Website : https://www.akseadaburdu.com/

طباعت

نوری آفسیٹ پریس

مرزا غالب روڈ، جونا فاران اسپتال، مالیگاؤں ضلع ناسک (مہاراشٹر)

نوٹ: مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

''عکسِ ادب'' سے متعلق کوئی بھی قانونی چارہ جوئی اورنگ آباد کی عدالت میں ہی ہوگی۔

☆ ترتیب و تزئین ☆

اداریہ	ڈاکٹر یوسف صابر	۳
اسلامیات	سیدہ فرزانہ نسیم	۴
عکس ایماں	حمد، نعت، دعا	۵
(ارشد مینا نگری، طرفہ قریشی، علیم صبا نویدی ، ڈاکٹر فرحت حسین خوشدل)		
مغزادب	ڈاکٹر یوسف صابر	۶
☆مضامین		
شوکت حیات کی افسانہ نویسی	محمد اکرام الحق	۷
''ادرک'' قدرت کی شان، طب کی پہچان	ڈاکٹر رفیع الدین ناصر	۹
برمحل اشعار اوران کے ماخذ	خلیق الزماں نصرت	۱۰
ڈاکٹر ایم ایم شیخ کی گراں قدر تصنیف	عبدالودود انصاری	۱۱
غلام نبی خیال کی صحافتی خدمات	ڈاکٹر محی الدین زورکشمیری	۱۳
کلیدی خطبہ۔سمینار بعنوان نئی صدی اور......	ڈاکٹر یوسف صابر	۱۵
راجستھان کے ایک غیر مسلم برگزیدہ	ڈاکٹر قمر نازنین	۱۷
سہ ماہی ادبی رسالہ 'عکس ادب' اورنگ آباد......	ڈاکٹر عابد حسین ایم ایس	۱۹
''عالمی یوم خواتین'' اور ہندوستان میں	یاسمین اسلام	۲۱
ہندوستان کی آزادی و قومی یکجہتی میں	میمونہ تحسین	۲۳
ترنم ریاض کا افسانہ 'کشتی' کا تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر محمد امان اللہ	۲۵
علیم صبا نویدی کی نعت گوئی کی خصوصیات	پروفیسر علیم اللہ حالی	۲۷
☆شاعری		
غزلیں	علیم صبا نویدی ، کلیم کسک ، ریشما طلعت شبنم کولاری ، فیروز سروش	۲۸
قصیدہ	نذرانۂ عقیدت	۲۸
غزلیں	طٰہٰ صدیقی ، محسن عظیم انصاری ، تمیز احمد پرواز	۲۹
قطعات	علیم صبا نویدی	۲۹
غزلیں	اسلم مرزا ، ڈاکٹر یوسف صابر ، غلام ثاقب ، الطاف اقبال	۳۰
نظم	''کتابوں کی دنیا'' — ف۔خ۔مسرت	۳۰
مرثیہ	علیم صبا نویدی کو خراج عقیدت — سراج زیبائی	۳۱
گیت	اس نئے سال میں — ارشد مینا نگری	۳۱
نظم	شکست وفا — منظر عالم	۳۱
غزل	کے انیس اظہر	۳۱
غزلیں	سرفراز بزمی، ڈاکٹر ذاکر خان ذاکر، یاسین انصاری، اطہر کلیم	۳۲
قطعہ	رضا جالنوی	۳۲
☆افسانوی ادب		
افسانہ	یہ ہوئی نا......؟ عورتوں والی بات — حنیف سید	۳۳
منی افسانہ	مشورہ — محبوب پاشا اعظمی	۳۴
افسانچے	ارشد صدیقی	۳۴
افسانچے	ڈاکٹر عظیم راہی ، علیم طاہر ، ڈاکٹر نخشب مسعود ، جیوتی جین	۳۵
طنز و مزاح	داستانِ نان قلیہ — معز ہاشمی	۳۶
گوشۂ منتخب شعرائے مرہٹواڑہ (حصہ دوم)		۳۸ تا ۵۱
☆مضامین		
سفینۂ اردو ادب۔انس مسرور انصاری	ڈاکٹر ریحان احمد قادری	۵۲
اردو ادب میں مکتوب نگاری کا فن	محمد فیروز عالم	۵۳
میر کی شاعری: ایک طائرانہ نظر	ڈاکٹر نرگس بانو	۵۵
جدید اردو نظم اور شاعرات کا فن	سرفراز احمد	۵۷
☆تعارف و تبصرے		۵۹
☆اخبار عکس ادب		۶۱
☆خلوص عکس ادب (منتخب خطوط)		۶۴

کافی نہیں ہوا و بال و پر جہان میں
کچھ حوصلہ بھی ہوتا ہے لازم اڑان میں
ڈاکٹر یوسف صابر

لائف ممبران

(۱) عتیقہ اطہر موسیٰ (اورنگ آباد)
(۲) قاضی خسرو (اورنگ آباد)
(۳) ڈاکٹر مسرت فردوس (اورنگ آباد)
(۴) ڈاکٹر کیرتی مالنی جاؤلے (اورنگ آباد)
(۵) انصاری ابرار احمد (اورنگ آباد)
(۶) مہر سلطانہ جبار قریشی (اورنگ آباد)
(۷) ڈاکٹر عبدالرب (اورنگ آباد)
(۸) سید وہاب الحق (اورنگ آباد)
(۹) محمد سعید احمد محمد سردار (اورنگ آباد)
(۱۰) ڈاکٹر فرحت نسرین (اورنگ آباد)
(۱۱) ڈاکٹر شرف النہار (اورنگ آباد)
(۱۲) ڈاکٹر معین فاطمہ (اورنگ آباد)
(۱۳) ڈاکٹر مخدوم فاروقی (اورنگ آباد)
(۱۴) مولانا آزاد کالج (اورنگ آباد)
(۱۵) شیخ شہلا سلطانہ (اورنگ آباد)
(۱۶) برہانی نیشنل اردو پرائمری اسکول (اورنگ آباد)
(۱۷) ڈاکٹر قاضی رضوانہ شمیم (اورنگ آباد)
(۱۸) اسماء روحی قادری (اورنگ آباد)
(۱۹) شیخ ظہور احمد (اورنگ آباد)
(۲۰) ابراہیم خان لیاقت خان (اورنگ آباد)
(۲۱) ڈاکٹر قمر النساء (خلد آباد)
(۲۲) مبین نذیر (مالیگاؤں)
(۲۳) مقصود اشرف (مالیگاؤں)
(۲۴) ڈاکٹر شاہ ایاز (مالیگاؤں)
(۲۵) ڈاکٹر شاداب روش (مالیگاؤں)
(۲۶) انصاری عتیق احمد محمد شعبان (مالیگاؤں)
(۲۷) سٹی کالج (مالیگاؤں)
(۲۸) خان عبدالغفار خان کالج (پاتھری)
(۲۹) عالیہ کوثر (اسسٹنٹ پروفیسر) (جالنہ)
(۳۰) ڈاکٹر سلیم نواز حشر جعفر آبادی (جالنہ)
(۳۱) سید غازی علی غازی (جالنہ)
(۳۲) تحسین درانی (جالنہ)
(۳۳) عبدالوہاب (اسسٹنٹ پروفیسر) (جالنہ)
(۳۴) ڈاکٹر نسیم بیگم (پربھنی)
(۳۵) ڈاکٹر سلیم محی الدین (پربھنی)
(۳۶) خضر احمد خان شرر (پربھنی)
(۳۷) حبیب النساء (پربھنی)
(۳۸) ڈاکٹر قاضی کلیم (پربھنی)
(۳۹) ڈاکٹر شبانہ درانی (ناندیڑ)
(۴۰) ڈاکٹر ارشاد احمد خان (ناندیڑ)
(۴۱) شیخ ہما کوثر (اسسٹنٹ پروفیسر) (ناندیڑ)
(۴۲) اظہر احمد غلام یزدانی (ناندیڑ)
(۴۳) اختر صادق (ناندیڑ)
(۴۴) محمد اختر (ناندیڑ)
(۴۵) ڈاکٹر سید اصفیہ مدنی سید زکریا (بیڑ)
(۴۶) ڈاکٹر سید فرید احمد نہری (بیڑ)
(۴۷) ڈاکٹر عظمیٰ تسنیم (پونہ)
(۴۸) ڈاکٹر عنبر خاتون (ہزاری باغ)
(۴۹) ڈاکٹر فرحت حسین خوشدل (ہزاری باغ)
(۵۰) رشید ضارب (حیدر آباد)
(۵۱) ڈاکٹر عقیلہ سید غوث (امبہ جوگائی)
(۵۲) ڈاکٹر مقبول احمد مقبول (ادگیر)
(۵۳) ڈاکٹر خالد مبشر (دہلی)
(۵۴) سید سمیع الدین (بیدر)
(۵۵) J.J.T.University (راجستھان)
(۵۶) محبوب پاشا اعظمی (چنئی)
(۵۷) ڈاکٹر نکہت آراء (شولاپور)
(۵۸) شیخ ارم فاطمہ (نلنگہ)
(۵۹) ڈاکٹر محمد ناصر اللہ انصاری (لاتور)
(۶۰) احمد عباس خان (ایوت محل)

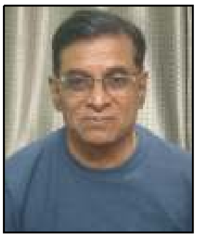

اداریہ

یہ ضروری نہیں ہر تیر نشاں تک پہنچے
حق ہو آواز تو پہنچا دو جہاں تک پہنچے

(ڈاکٹر یوسف صابؔر)

اردو زبان وادب میں تحقیق کی اہمیت وافادیت دن بہ دن بڑھ رہی ہے اس لئے ایم فل اور پی ایچ ڈی کرنے والے بھی بڑھ رہے ہیں۔تحقیق کا معیار کیسا ہے؟ کیوں ہے؟ ان سوالوں کے جوابات بھی تحقیق طلب ہیں لیکن اس وقت ہندوستان بھر میں متعدد طلباء و طالبات نے تحقیق کی اعلیٰ ڈگریوں کو حاصل کرلیا ہے اوراس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ہندوستان میں ایسے کئی مرد وخواتین ہیں جو ایم فل اور پی ایچ ڈی کی اہلیت اور قابلیت رکھتے ہوئے بھی ان ڈگریوں کو حاصل نہیں کر پائے اور ایسے طلباء وطالبات بھی ہیں جو سند تو رکھتے ہیں قابلیت واہلیت نہیں رکھتے لیکن ان اعلیٰ ڈگریوں کو حاصل کر چکے ہیں اور جیسے بھی ہو پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے والے اپنے نام کے آگے ڈاکٹر لگانے کے مستحق تو ہو جاتے ہیں۔اس وقت مراٹھواڑہ میں اردو زبان وادب کے متعدد مرد وخواتین ڈاکٹرز ہیں جنھوں نے مختلف عنوانات کے تحت مقالے تحریر کرکے یونیورسٹیوں سے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کرلی ہیں۔اردو زبان وادب کے لئے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کرنے والے مراٹھواڑہ کے سند یافتہ محققوں کا خصوصی گوشہ آنے والے چند شماروں میں سے کسی ایک شمارے میں بعنوان ’’مراٹھواڑہ کے منتخب سند یافتہ محقق‘‘ شائع کرنے کا ’’عکس ادب‘‘ ارادہ رکھتا ہے اور ممکن ہوا تو دو شمارے بھی اس کے لئے محفوظ کئے جاسکتے ہیں۔ادارہ ’’عکس ادب‘‘ اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوتا ہے یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

خاکسار
ڈاکٹر یوسف صابؔر
مدیر اعلیٰ
سہ ماہی ’عکس ادب‘ اردو (اورنگ آباد)

دینی معلومات

آخرت کے مقامات جن کا تذکرہ قرآن میں ہے

''فردوس'' جنت کا اعلیٰ محل۔ ''عِلیئین'' صلحاء کی روحوں کا مقام۔ ''سجین'' کفار کی روحوں کی جگہ۔ ''کوثر'' ایک نہر ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی امت کے سیراب کرنے کے لئے مرحمت ہوئی۔ ''سلسبیل'' و''تسنیم'' جنت کے دو چشمے ہیں۔ ''صعود'' دوزخ میں ایک پہاڑ ہے۔ ''غی، آثام، موبق، ویل، سعیر، سائل، سحیق'' دوزخ کے صحراؤں کے نام ہیں۔ ''فلق'' دوزخ کے گہرے گڑھے کا نام ہے یا جہنم میں ایک قید خانہ ہے۔ ''کیموم'' ایک گڑھا ہے۔ دوزخ میں جس کے اندر دھواں بھرا ہے۔

فرشتوں کے نام جن کا قرآن میں صراحتاً ذکر ہے

''جبریل علیہ السلام'' جن کے متعلق انبیاء علیہم السلام پر وحی لانے اور کفار پر عذاب نازل کرنے کی خدمت تفویض ہے۔ ''میکائیل علیہ السلام'' جو مخلوق کو رزق پہنچاتے اور بارش برسانے کا کام انجام دیتے ہیں۔ ''ہاروت ماروت'' جو دنیا میں بصورتِ انسان آکر سحر کی تعلیم دے کر لوگوں کے ایمان اور اعمال کا امتحان لیتے تھے، ان کا قصہ تفسیروں اور خود قرآن کریم میں مذکور ہے۔ ''رعداس'' فرشتہ کا نام ہے جن کے سپرد یہ خدمت ہے کہ وہ بادلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا کر جمع کرتے ہیں اور کسی جگہ سے متفرق کرتے ہیں۔ ''برق'' یہ بھی ایک فرشتے کا نام ہے، ان کے چار چہرے ہیں: ایک بصورت انسان، دوسرا بصورت شیر، تیسرا بصورت کرگس، چوتھا بشکل بیل۔ جب یہ اپنی دم پٹخارتے ہیں تو اس سے بجلی پیدا ہوتی ہے۔ ''مالک'' یہ دوزخ کے داروغہ ہیں۔ ''سجل'' ان کے متعلق صحیفے اور اعمال نامے ہیں۔ ''قعیدان'' کی جانب برائیوں کے لکھنے کا کام ہے۔

وہ ستارے جن کا نام صراحتاً قرآن میں ہے

شمس (سورج)، قمر، طارق، شعریٰ۔

جن پرندوں کے نام قرآن میں ہیں

''سلویٰ'' یعنی بٹیر۔ ''بعوضہ'' یعنی مچھر۔ ''ذباب'' یعنی مکھی۔ ''نحل'' شہد کی مکھی۔ ''عنکبوت'' مکڑی۔ ''جراد'' ٹڈی۔ ''ہدہد'' کھٹ کھٹ بڑھئی۔ ''غراب'' کوا۔ ''نمل'' چیونٹی۔ بتوں کے نام: ''ود، سُواع، یغوث، یعوق، نسر'' یہ قوم نوح علیہ السلام کے بت تھے جن کو وہ پوجتے تھے۔ اور قریش کے بتوں کے نام یہ ہیں: (۱) لات (۲) عُزیٰ (۳) منات (۴) رجز۔ مشرکین عرب کے بتوں کے نام یہ ہیں: (۱) جبت (۲) طاغوت۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک ''رشاد'' فرعون کے بتوں میں سے ایک بت کا نام تھا اور ''بعل'' قومِ الیاس کا بت تھا۔

(ماخوذ نور القلوب قرآن شریف مترجم)

از : سیدہ فرزانہ نسیم (اورنگ آباد)

9326772575

عکسِ ایمان

حمد

ارشد مینانگری

اپنا ہر دم حبیب ہے اللہ
شاہ رگ سے قریب ہے اللہ

سب کی ظلمت میں نور سامانی
سب کا روشن نصیب ہے اللہ

صرف نگراں نہیں امیروں کا
والی ہر غریب ہے اللہ

سب کی سنتا ہے سب کو دیتا ہے
سب کی خاطر مجیب ہے اللہ

اپنے بندوں کی ہر خبر رکھے
دور رہ کر قریب ہے اللہ

فرش بھی عرش بھی اس کے تابع
چاروں جانب حسیب ہے اللہ

اِس سے مایوس نہیں ہے کوئی
یارو ہر دم منیب ہے اللہ

اپنے بندوں کی ہر خبر رکھے
دور رہ کر قریب ہے اللہ

پنہاں ہوکر بھی ہر طرف ہے عیاں
اللہ اللہ عجیب ہے اللہ

لفظ ہر لفظ ہے کتاب نما
کیسا نادر خطیب ہے اللہ

دے کے سب کچھ بھی کچھ نہیں مانگے
کتنا پیارا حبیب ہے اللہ

بخشے افکار کو ادب ارشدؔ
ایسا یکتہ ادیب ہے اللہ

☆☆☆

نعت

طرفہ قریشی

نفس نفس کو ہے وابستگی مدینے سے
گزر رہی ہے مری زندگی قرینے سے

یہاں تک آئے ہیں تو اور دو قدم بڑھ جائیں
کہ عرش دور نہیں مصطفیٰ کے زینے سے

کہاں مرا دلِ نازک کہاں فراقِ نبیؐ
یہ آگ شعلے نکالے گی آبگینے سے

نکل کے حلقۂ زلفِ نبیؐ سے جائیں کہاں
کہ مشک میں ہے مہک آپ کے پسینے سے

دلِ شکستہ سے لپٹی ہیں نور کی موجیں
کنارا مانگ لے ساحل مرے سفینے سے

درِ رسولؐ پہ مرنے کی آرزو کیسی
حیات مانگ کے لائیں گے ہم مدینے سے

نعت شریف

علیم صبا نویدی

انکساری حضور کی ہے عطا
رب کی یاری حضور کی ہے عطا

خامشی میرے لب پہ تھی جاری
فکر پاری حضور کی ہے عطا

فکر و احساس کی تجلی میں
خاکساری حضور کی ہے عطا

میں تو گمنام ایک قطرہ تھا
فن نگاری حضور کی ہے عطا

دور تھا میں دیارِ اقدس سے
دین داری حضور کی ہے عطا

اپنے ماں باپ کے حضور صباؔ
تابعداری حضور کی ہے عطا

دعا

ڈاکٹر فرحت حسین خوشدل (ہزاری باغ)
موبائل : 9546320141

نہیں ہے مجھ کو مکاں اک مکان دے یارب
تو اپنے فضل سے مجھ کو امان دے یارب

ترا ہی در ہے جہاں ملتی ہے اماں مجھ کو
مری جبیں کو یہی آستان دے یارب

کروں میں ذکر ترا اور شکر تیرا کروں
ولی صفت مرے منہ میں زبان دے یارب

لکھوں میں نغمۂ توحید اور نعتِ نبیؐ
مرے قلم کو وہ زورِ بیان دے یارب

افادیت سے ہو پُر جب کبھی میں شعر کہوں
تو میری فکر کو اونچی اڑان دے یارب

میں تیرے بندوں کو احکامِ دین پہنچاؤں
نبیؐ پاک کی مجھ کو زبان دے یارب

ہر ایک فتنۂ شیطاں سے تو بچا مجھ کو
نبیؐ کے صدقے میں خوشدلؔ پہ دھیان دے یارب

سفرِ ادب

☆عربی زبان کا اسم سانحہ کی جمع سوانح۔

☆سوانح یعنی حالاتِ زندگی تحریر کرنا۔

☆سوانح حیات یعنی آپ بیتی۔

☆سوانح عمری یعنی کسی انسان کی زندگی کا حال

☆سوانح یعنی تحریر کردہ حالاتِ زندگی

☆سوانحی یعنی سوانح سے منسوب یا متعلق واقعات

☆سوانحی خاکہ یعنی زندگی کے واقعات کا ہلکا سا نقشہ

☆ سوانح نگار یعنی کسی شخص کے حالاتِ زندگی تحریر کرنے والا۔سوانح نگار کو سوانح نویس بھی کہتے ہیں۔

☆سوانح نگار کا مترادف لفظ سیرت نگار ہے۔

☆اردو زبان وادب میں مولانا الطاف حسین حالی کو سوانح نگاری کا باضابطہ بانی تسلیم کیا جاتا ہے۔

☆ تذکرہ اور سرگذشت، سوانح عمری کے مترادف الفاظ ہیں۔

☆سوانح نگاری کی تعریف : زندگی کے واقعات کو تاریخ اور ترتیب کے ساتھ لکھنا، سوانح نگاری ہے۔

☆خودنوشت سوانح نگاری : ایسی سوانح نگاری جو خود اپنے بارے میں لکھی جائے۔

☆خودنوشت منظوم سوانح نگاری : ایسی سوانح نگاری جو خود اپنے بارے میں منظوم تحریر کی جائے۔

☆سوانح نگاری میں کسی مشہور شخص کی زندگی کے محاسن اور معائب دونوں کا بیان ہوتا ہے۔

☆سوانح نگاری کو انگریزی میں Biography کہا جاتا ہے۔

☆سوانح عمری غیر افسانوی ادب سے منسلک ہے۔

☆سوانح نگاری میں اعتدال اور توازن ضروری ہے۔

☆ سوانح نگاری کا فن موضوع، مواد اور اسلوب سے ترتیب پاتا ہے۔

☆ سوانح نگاری میں موضوع کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

☆قدیم دور میں سوانح عمری کے موضوعات عام طور پر بزرگانِ دین اور عمائدین حکومت تک محدود تھے۔

☆خطوط کا براہِ راست شخصیت سے تعلق ہوتا ہے، اس لئے انھیں سوانح عمریوں میں اکثر حسبِ ضرورت استعمال کیا گیا ہے۔

☆اچھے اسلوب کے باوجود سوانح نگاری میں پہلی شرط صداقت ہے۔

☆ ایک اچھی سوانح عمری افسانے کی غیر حقیقی اور تاریخی سچائی کی درمیانی کڑی ہے۔

☆ تاریخ اور سوانح عمری میں ایک واضح فرق یہ بھی ہے کہ سوانح فرد کے کارناموں سے زیادہ اس کے کردار کے متعدد پہلوؤں پر غور کرتی ہے۔

☆ناول نگار اور سوانح نگار دونوں افراد کے احساسات وجذبات کی عکاسی کرتے ہیں لیکن دونوں میں یہ فرق ہے کہ سوانح کا موضوع حقیقی ہوتا ہے اور ناول کے کردار فرضی ہوتے ہیں۔

☆سوانحی نگاری کا مواد مستند ہونا ضروری ہے۔

☆ یادداشتیں ، روزنامچے اور مراسلات کی حیثیت سوانح عمری کے خام مواد کی ہے۔

☆مختصر سوانحی خاکہ اور طویل سوانحی خاکہ کو مختصر افسانہ اور طویل افسانہ کی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔

☆ افسانہ اور ناول میں جو فرق نظر آتا ہے وہی فرق سوانحی خاکہ اور سوانح عمری میں دکھائی دیتا ہے۔

☆ سوانح عمری کی ابتدائی روایات عربی وفارسی میں سیرت نگاری وتذکرہ نویسی کی شکل میں موجود تھی۔

☆ حیات سعدی لکھ کر مولانا الطاف حسین حالی نے سوانح نگاری کا سنگ بنیاد رکھا۔

☆ حیات سعدی سے پہلے سوانح عمریوں کا مقصد یادگاری یا تاریخی تھا۔

☆یادگارِ غالبؔ ہندوستان کے عالی مرتبہ شاعر کی پہلی سوانح عمری ہے۔

☆ مولانا الطاف حسین حالیؔ کی آخری سوانحی عمری ''حیاتِ جاوید'' ہے۔

☆سیرۃ النعمان کے بعد الفاروق مولانا شبلی کی مفصل سوانح عمری تسلیم کی جاتی ہے۔

☆ سعدی شیرازی ۱۹۹۶ء شبلی کی تحریر کردہ مختصر سوانح عمریوں میں شامل ہے۔

☆ سوانح عمری کی جامعیت اور مقبولیت شبلی کی سوانح نگاری کی کامیابی کی دلیل تسلیم کی جاتی ہے۔

☆سوانح نگاری میں شبلی کے فنی شعور کی پختگی الفاروق میں زیادہ واضح ہوتی ہے۔

☆شبلی سے پہلے محمدﷺ کی جتنی بھی سوانح عمریاں لکھی گئیں ان میں بحیثیت انسان انھیں پیش نہیں کیا گیا بلکہ ان کی شخصیت کو الوہیت کی مکمل شبیہ یا غیر مرئی ہستی بنا دیا گیا۔شبلی کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے کامیاب سوانح نگاری کی طرح پہلی بار محمدؐ کو بشریت کے آئینہ میں دیکھا۔

☆اردو زبان میں سوانحی نگاری کے اولین نقوش اور دھندلے دھندلے خدوخال دکنی مثنویوں میں ملتے ہیں۔

☆سوانحی عناصر کے اعتبار سے مثنوی ''پرت نامہ'' ۹۲۷ھ ، مثنوی ''فتح نامہ شاہ نظام'' ۹۲۷ھ مثنوی ''میزبانی نامہ''، مثنوی ''ابراہیم نامہ'' ۱۰۲۱ھ اور مثنوی ''محی الدین نامہ'' ۱۰۵۰ھ ہجری وغیرہ اہمیت کے حامل ہیں۔

مضامین

شوکت حیات کی افسانہ نویسی

محمد اکرام الحق (ریسرچ اسکالر)
شعبۂ اردو(بی آر اے)بہار یونیورسٹی مظفر پور(بہار)

☆خلاصہ **(Abstract)**

صوبۂ بہار میں افسانہ نگاری کی روایت کا فن قدیم ہے۔اصلاح معاشرہ سے لے کر رومانی فضا تک اور حقیقت سے علامت تک افسانے کی ایک توانا روایت کو توانائی بخشنے میں کئی افسانہ نگاروں نے اپنے قلم کو فعال رکھا ہے۔اس سلسلے سے یہ اقتباس دیکھئے :

”علی محمد اور مسلم عظیم آبادی نے موضوع و مواد اپنے بالکل سامنے کے سماج سے لیا تھا اور بڑے سادہ اور کسی قدر اکہرے اسلوب میں ڈھال کر افسانوی روپ دیا تھا۔اختر اورینوی،جمیل مظہری،سہیل عظیم آبادی اور محسن عظیم آبادی نے زندگی کے قدرے نادر حقائق پر مبنی افسانے لکھے،اسلوب میں تہہ داری اور تکنیک میں نکھار لانے کی کوشش کی۔اس کے بعد غیاث احمد گدی ،کلام حیدری اور ظفر اوگانوی وغیرہ نے اسلوب اور ہیئت پر توجہ مرکوز کی اور علامت تمثیل اسطور دیو مالا اور تجدید افسانوں کے تانے بانے کے لئے لازمی قرار پائے۔ بے ماجرا افسانے جدیدیت کی سند بن کر ابھرے،پھر یہ رجحان بھی قصۂ پارینہ بنا اور ترسیل کی ناکامی اور کہانی پن کے فقدان کا مسئلہ نئے تخلیقی برتاؤ سے سلجھتا چلا گیا۔اس ضمن میں شفیع جاوید عبدالصمد، شوکت حیات،انیس رفیع،شفیق حسین الحق،شفی مشہدی ،ذکیہ مشہدی،قمر جہاں،شموئل احمد وغیرہ کے نام لئے جاسکتے ہیں جن کی مسلسل تخلیقی کوششوں سے اردو افسانہ ایک خوشگوار موڑ پر پہنچا ہو۔“(تنقیدی گوشے۔رئیس انور۔ص ۱۳۹)

مذکورہ بالا اقتباس کی روشنی میں ہم بہار میں اردو افسانے کی ترقی یافتہ روایت کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں، جہاں تک شوکت حیات کی افسانوی حسیت کی بات ہے تو اس سلسلے سے یہ کہا جائے گا کہ ۱۹۷۰ء کے بعد ابھرنے والے افسانہ نگاروں میں شوکت حیات نے اپنی الگ شناخت بنائی ہے۔اس مختصر مضمون میں شوکت حیات کی افسانہ نگاری کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔

☆تعارف **(Introduction)**

شوکت حیات نے واضح بیانیہ پر خصوصی توجہ دی کیونکہ آپ نے موضوع کو گنجلک اور اسلوب کو ثقیل بنانے سے انحراف کیا۔لہٰذا آپ کی مقبولیت اپنے معاصرین میں اسی بنیاد پر زیادہ ہوئی۔آپ کے افسانوی مجموعہ ”گنبد کے کبوتر“ ۲۰۱۰ء میں شامل تمام تر افسانے اس کی بہترین مثال پیش کرتے ہیں۔آپ کے بہترین افسانے ڈھلان پر رُکے ہوئے قدم، بانگ،صدیوں کے لمحے، لیٹر بکس کی تلاش، کاغذ کا درخت ، بکسوں سے رہا آدمی، دوسرا شہر، پاؤں،صرف سیاہ چادریں اور انسانی ڈھانچہ ہیں جنھیں ادبی حلقے میں اضافہ کی حیثیت حاصل ہے۔

☆شوکت حیات کی افسانہ نگاری کا سرسری جائزہ :

شوکت حیات نے اپنے اردگرد کے ماحول کو کھلی آنکھوں سے دیکھا اور اسے محسوس کیا،اس پر اضافہ یہ کہ انہوں نے جو محسوس کیا اسے افسانے کا پیکر عطا کیا۔آپ کا تحریر کردہ افسانہ ”اپنا گوشت“ اس کی بہترین مثال ہے۔ اس میں شوکت حیات نے خودغرضی ،سفلہ پن اور رشتوں کی پامالی کو بہت ہی حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔افسانے کا قصہ یہ ہے کہ افسانے کا مرکزی کردار اپنے بھائی بہنوں کی تعلیم تربیت اور پرورش میں اس طرح ملوث رہتا ہے کہ اپنی ازدواجی زندگی کا کبھی خیال نہیں کرتا اور خود اکیلا کنوارہ رہ جاتا ہے۔وہ اس خیال میں مگن رہتا ہے کہ وہ اپنے بھائی بہنوں کے بیچ اپنی بچی ہوئی زندگی گزار دے گا لیکن اس کی زندگی کا المیہ یہ ہے کہ اس کا سوچنا سب غلط ثابت ہوتا ہے، کیونکہ جب اس کا بڑھاپا آتا ہے تب اسے گھر کے سارے افراد غیر ضروری سمجھنے لگتے ہیں اور سبھوں کی آنکھوں میں وہ کھٹکنے لگتا ہے۔ اس سلسلے میں افسانے کا یہ اقتباس دیکھئے :

”اس طرح کے بیکار افراد سے گھر کا ماحول بگڑتا ہے، خاندان کے بچوں پر برا اثر پڑتا ہے۔“

(تنقیدی گوشے۔رئیس انور۔ص ۱۴۱)

گھر کے افراد کی یہ تمام حرکتیں اسے ناگوار محسوس ہوتی ہیں اور وہ گھر چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔افسانہ نگار شوکت حیات نے اس افسانے میں صرف رشتوں کی پامالی کو ہی نہیں دکھایا ہے بلکہ انسانیت کی پاسداری کس طرح ہوتی ہے،اس کی تصویر کشی مرکزی کردار کے بھتیجے کی شکل میں کی ہے۔کیونکہ جب وہ کھانا کھاتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنا گوشت کھا رہا ہے۔

افسانہ ”گنبد کے کبوتر“ بھی ایک بہترین افسانہ ہے۔ یہ افسانہ اپنی مقصدیت معنویت اور حسن و قبح کے اعتبار سے بھی ادبی حلقے میں لافانی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ افسانہ کردار نگاری، جزئیات نگاری، مکالمہ نگاری،

پلاٹ سازی، اسلوب بیان کے لحاظ سے بھی کافی اہمیت رکھتا ہے۔مختصر یہ کہ اس افسانے کے ذریعہ شوکت حیات نے انسانی زندگی کے تمام تر پیچ وخم کو پیش کیا ہے۔اس افسانے کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ پہلو سامنے آتا ہے کہ شوکت حیات موضوعات کو پہلے اپنے اندر جذب کرتے ہیں، پھر کرداروں کے باطن میں اترتے ہیں اور واقعات کی گہرائی میں اُتر کر افسانہ لکھتے ہیں۔ موصوف افسانہ لکھتے وقت فنی وفکری بصیرت کو بروئے کار لاتے ہیں۔آپ کا تحریر کردہ افسانہ''بانگ'' بھی ادبی حلقے میں کافی پسند کیا گیا ہے۔ اس افسانے میں شوکت حیات نے طبقاتی کشمکش اور جدوجہد کو مرکزیت عطا کی ہے۔نسلی بھید بھاؤ، امیری غریبی، اونچ نیچ ،طبقاتی کشمکش سبھی کو اس میں پیش کیا ہے۔اس افسانے کو شوکت حیات نے مرغے کی بانگ سے شروع کیا ہے۔افسانے کا اصل قصہ یہ ہے کہ مرغے نے آج بانگ نہیں دیا تو وہ لوگ جو بانگ کی آواز سے ہی جاگتے تھے اور سورج کی پہلی کرن کا غسل لیتے تھے اور اپنی ہتھیلیوں کی لکیروں کی تابنا کی دیکھتے تھے۔آج بانگ نہ دینے کی وجہ سے وہ محروم رہ گئے۔اس افسانے کے تعلق سے یہ اقتباس دیکھئے :

''یہ محرومی اس بات کی غماز ہے کہ سرمایہ دار مرغوں کی بانگ پر منحصر ہے۔اگر مرغے بانگ نہ دیں تو ان کی آنکھ نہیں کھلے گی، ان کی صبح نہیں ہوگی اور وہ دیر تک سوئے رہیں گے۔

بانگ نہ دینے کی سزا کے طور پر پولٹری فارم کے مالکان کئی مرغوں کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھا جاتے ہیں تا کہ ان کو سبق مل سکے اور کل سے دوسرے مرغے بانگ دینے لگیں۔ پولٹری فارم کا مالک دراصل سرمایہ دارانہ نظام کی علامت بن کر ابھرا ہے۔وہ وہی کام کرتا ہے جو سرمایہ دار کرتے ہیں۔افسانہ کو اگر ہم آج کے تناظر میں دیکھیں تو پولٹری فارم کے مالک امریکہ یا دوسرے ترقی یافتہ ملک تسلیم کرتے ہیں۔''(بہار میں اردو فکشن ایک تنقیدی مطالعہ۔ڈاکٹر احمد صغیر۔ص ۱۸۹)

افسانہ''بانگ'' کا مطالعہ اس بات کا انکشاف کرتا ہے کہ آپ نے اسے کافی محنت سے لکھا ہے اور علامت کے ذریعہ کئی شیڈس بنائے ہیں۔ افسانہ مرغے کی بانگ نہ دینے سے شروع ہوتا ہے لیکن آہستہ آہستہ سرمایہ دارانہ نظام کا جبر طبقاتی کشمکش ، جدوجہد، نسلی امتیاز ، کلاس ، اسٹرگل اور گوریلا وار کی طرف بڑھتا ہے۔ڈربوں سے مرغوں کا غائب ہو جانا،اس بات کی علامت ہے کہ وہ پولٹری فارم کے مالک کے رویے سے تنگ آکر اس کے خلاف ایک محاذ تیار کر رہے ہیں۔

ہم اس بات سے آشنا ہیں کہ شوکت حیات کمیونسٹ پارٹی سے جڑے ہوئے تھے۔ اسی لئے ان کے افسانوں میں احتجاج ، طبقاتی کشمکش ، جدوجہد، ظلم و جبر، نسلی امتیاز اور فاشزم جیسے موضوعات کا ملنا ایک عام بات ہے۔لیکن شوکت حیات کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ان تمام باتوں کی پیشکش علامت کے پردوں میں کی ہے۔یہی وجہ ہے کہ افسانہ''بانگ'' کو پڑھنے والا ہر قاری اپنے اپنے طور پر اس کے معنی اخذ کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ کوئی اسے ایمرجنسی کی کہانی بتاتا ہے تو کوئی ظلم و جبر پر مبنی افسانہ۔غور سے دیکھا جائے تو اسے احتجاج کا افسانہ بھی تسلیم کیا جا سکتا ہے۔اس افسانے کے توسط سے شوکت حیات نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اگر احتجاج کیا جائے تو بڑی سے بڑی طاقت کو زیر کیا جا سکتا ہے۔لیکن اس کے لئے ایک لائحہ عمل تیار کرنا ضروری ہوتا ہے۔جس طرح افسانہ ''بانگ'' میں تمام مرغے لائحہ عمل تیار کرتے ہیں اور مالکان مرغ کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ شوکت حیات کا یہ افسانہ بہترین ہے۔ یہ افسانہ اپنی معنویت اور مقصدیت کے اعتبار سے ادبی حلقے میں اضافے کی حیثیت رکھتا ہے۔

☆ **ماحصل :**

شوکت حیات کے تمام تر افسانے اپنے حسن وقبح کے اعتبار سے اہمیت رکھتے ہیں۔آپ نے فنی لوازم پر بھی خصوصی توجہ دی ہے اور موضوع کی پیشکش پر بھی۔ شوکت حیات کے افسانے اسلوبیاتی اور موضوعاتی اعتبار سے انفرادیت کے حامل نظر آتے ہیں۔ ان افسانوں کو پڑھ کر قاری مسرت اور بصیرت دونوں حاصل کرتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کے افسانے ہمیں غور وفکر کی دعوت بھی دیتے ہیں۔

مضمون کے آخر میں شوکت حیات کی افسانوی حسیت کے حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے :

''شوکت حیات ایسے افسانہ نگار ہیں جنھوں نے ترقی پسندی اور جدیدیت کے ہنگامے میں انام حسیت، انام نسل اور انام افسانے کی تخلیقی صدا بلند کی۔ اردو کے جدید افسانوں کے ارتقاء میں اپنے انام افسانوں سے نئے لہجے اور نئے تیوروں کا اضافہ کر کے نئی کہانی کے نئے افق اور نئی جہت کی تلاش کی اور افسانوں کو ذاتی اور سماجی اقتصادی اور سیاسی بیداری اور ہوش مندی کے لئے تخلیقی تناظر سے ہم کنار کیا۔ ان کے بیشتر افسانوں میں حیات کے مسائل زندگی کی بے معنویت عصری انسان کی لاحاصل متعدد تخلیقی زاویوں سے جلوہ گر ہیں۔اس کے علاوہ انہوں نے فرد کے مسائل کو سماجی، سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی تناظر کے بے پایاں سنگلاخ معروضی حدود میں سمجھنے کی سعی کی ہے۔''
(اردو افسانے کا تنقیدی جائزہ ۱۹۸۰ء کے بعد۔ڈاکٹر احمد صغیر۔ص ۶۹) ☆☆☆

ISSN 2320-6519
AKS-E-ADAB *(Quarterly)* Aurangabad.

''ادرک'' قدرت کی شان، طب کی پہچان

ڈاکٹر رفیع الدین ناصر
(قومی اعزاز یافتہ ٹیچر)
صدر شعبہ نباتیات'
مولانا آزاد کالج اورنگ آباد
موبائل :9422211634

☆**مختلف نام:** ادرک کو انگریزی میں Ginger 'اردو ،ہندی، کشمیری، پنجابی میں ادرک، سونٹھ ، فارسی میں زنجبیل، اور عربی میں زنجبیل اور قرآنی نام زنجبیل ہے۔
اس کا سائنسی نام *Zingiber officinale* ہے۔
اس کا خاندان Zingiberaceae ہے۔

☆ **قرآن شریف میں تذکرہ :** قرآن شریف میں ادرک کا تذکرہ سورۃ الدہر کے آیت نمبر ۱۷ میں اس طرح کیا گیا ہے :

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا

ترجمہ: اور وہاں ان کو ایسی شراب (بھی) پلائی جائے گی جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ (۱۷) اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں ایسی مشروبات سے نوازہ جائے گا جس میں ادرک کا مزہ ہوگا۔

☆**ادرک کی پہچان:** ادرک ایک چھوٹی بوٹی ہوتی ہے جس کی کاشت کی جاتی ہے، زمین میں تنا ہوتا ہے جو پھولا ہوا ہوتا ہے جس کی شاخیں ہوتی ہیں، اس قسم کے تنے کو Rhizome (ساق) کہتے ہیں یہی تنا ادرک کہلاتا ہے اور خشک ہونے کے بعد سونٹھ کہلاتا ہے، اس میں نچلی جڑیں ہوتی ہیں جب کہ زمین کے اوپر پتیاں ہوتی ہیں جن پر چھوٹے پھول لگتے ہیں۔

☆**ادرک کی دستیابی:** ملک بھر میں ادرک کی کاشت کی جاتی ہے، اس کی مختلف اقسام ہیں۔ ادرک عام طور سے تنے کے حصوں سے زمین کے اندر پھیلتی جاتی ہے ،اور اس سے نئی پتیاں نکلتی رہتی ہیں۔ادرک کی ان زیر زمین گانٹھوں میں موجود آنکھ کے حصے کو کاٹ کر بویا جاتا ہے اور اس سے نیا پودہ اُگ آتا ہے۔

☆**ادرک کے خواص:** ادرک میں بارہ تا پندرہ فیصد پانی میں حل ہونے والے نمکیات موجود ہوتے ہیں اور ایک سے چار فیصد تک مختلف تیل ہوتے ہیں، اس میں مختلف کیمیائی عناصر جیسے ، چربی ، نشاستہ ، پروٹینس ، سوڈیم ، پوٹاشیم ، میگنیشیم ، فاسفورس، سلفر، کلورائیڈس وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ادرک سے خوشبودار تیل نکالا جاتا ہے جسے Oil of Ginger کہا جاتا ہے۔ ادرک میں اس کے علاوہ انتہائی اہم کیمیائی اجزاء جیسے Cineol, Gingerin, Zingiberin, Phellandrene Camphene, وغیرہ پائے جاتے ہیں۔

☆**ادرک کے طبی استعمال:** ادرک ایک حیرت انگیز اور انتہائی فائدہ بخش پودہ ہے۔ دنیا کے تقریباً ہر حصے میں اس کا استعمال بڑے زور و شور کے ساتھ ہو رہا ہے۔ ادرک سے حاصل کئے گئے تیل کو ذیابیطس، پرانی گھٹیا اور دیگر امراض میں استعمال کیا جاتا ہے۔ معدے کی خرابیوں سے پیدا ہونے والے جملہ امراض میں اس کے فائدوں کو تسلیم کیا گیا ہے۔ بلغمی کھانسی کے لئے ادرک کا عرق نکال کر شہد ملا کر کھلانے سے بلغمی کھانسی دور ہوتی ہے۔ ادرک کے تیل میں سلائی ڈال کر گر آنکھوں میں پھیری جائے تو آنکھوں سے غلیظ مادوں کا اخراج ہوتا ہے، آنکھوں میں سوزش کی وجہ سے نظر میں کمی آگئی ہو تو اسے ادرک کا تیل دور کرتا ہے۔ ادرک مقوی باہ ہے اگر دو ماشہ ادرک ہم وزن کھانڈ کے ساتھ ملا کر گرم پانی کے ساتھ کھایا جائے تو پیٹ میں غذا کے

ہضم کرنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے، کھانسی اور بلغم دور ہوتا ہے، بھوک میں اضافہ ہوتا ہے، سانس سے بدبو کو دور ہو کے منہ کا خراب ذائقہ کو ٹھیک کرتا ہے۔

ادرک معدہ اور دماغ کے لئے مقوی ہے ، بھوک بڑھاتی ، حافظہ کی خرابی کو دور کرتی ہے ، ریاح کو تحلیل کرتی ہے اور غذا کو ہضم کرتی ہے۔ اگر پیٹ میں غلاظت جمع ہو تو اس کو نکالنے کے لئے یہ جلاب لاتی ہے، سینہ میں بلغم جمع ہو تو سونٹھ کو پیس کر اس میں کھانڈ ملا کر پانی کے ہمراہ کھانے سے بلغم نکل جاتا ہے، کھانسی دور ہو جاتی ہے۔ ادرک کے ساتھ پستہ اور بادام ملا کر کھانے سے یہ مقوی باہ ہوتا ہے ۔ کیونکہ ادرک جسم سے غلیظ رطوبتوں کو نکالتی ہے، جب جسم کے کسی حصہ میں ورم حتیٰ کے فیل پا بھی ہو تو اس کے کھانے سے فائدہ ہوتا ہے ، دمہ کے مریضوں کو اس کے استعمال سے راحت ہوتی ہے۔ ادرک کو پیس کر تیل میں ملا کر مالش کرنے سے پٹھے کا درد ٹھیک ہو جاتا ہے، سونٹھ کو بکری کے دودھ میں ملا کر سر کے اطراف لیپ کرنے سے سر درد دور ہوتا ہے۔ سونٹھ کے ساتھ آملہ اور پیپل کی جڑیں پیس کر شہد میں ملا کر بار بار چاٹنے سے ہچکی بند ہو جاتی ہے ، ہچکی کے لئے خالص سونٹھ کا سفوف بھی بکری کے دودھ کے ساتھ دیا جائے تو فائدہ ہوتا ہے۔ طبی اعتبار سے ادرک کے بے شمار فائدے ہیں۔

☆☆☆

ISSN 2320-6519
AKS-E-ADAB *(Quarterly)* Aurangabad.

برمحل اشعار اور ان کے ماخذ

(آٹھویں قسط)
خلیق الزماں نصرت (بھیونڈی)
موبائل : 9923257606

میر تقی میرؔ

میرؔ بندوں سے کام کب نکلا
مانگنا ہے جو کچھ خدا سے مانگ
(م۔ح۔ح۔کلیات میر،ص۱۹۵

جب نام ترا لیجئے تب چشم بھر آوے
اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے
(م۔ح۔ح۔کلیات میر،ص۲۸۶

نام میر محمد تقی ہے۔میرؔ کو خدائے سخن کہا گیا ہے۔میر تقی میرؔ ۲۰؍ستمبر ۱۷۲۲ کو اکبرآباد میں پیدا ہوئے۔ان کے والد ایک صوفی بزرگ منش تھے۔جن کا انتقال میر تقی میرؔ کی کم عمری میں ہوگیا۔سوتیلے ماموں کے زیر اثر رہے، جنھوں نے میرؔ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ تلاشِ معاش میں دلّی آئے اور نوکری کی۔نادر شاہ کے حملے کے بعد ان کی نوکری چھوٹ گئی۔تب وہ لکھنؤ آگئے۔ وہاں آصف الدولہ کے دربار سے منسلک ہوئے۔حالات ان کے موافق نہیں ہوئے، اس وجہ سے میرؔ میں بہت زیادہ چڑچڑاپن آگیا۔میرؔ کا اندازِ شعر منفرد ہے۔آج بھی شعراء ان کی پیروی کررہے ہیں۔ جب تک اردو زبان رہے گی میر کو یاد کیا جاتا رہے گا۔میرؔ کی تصنیفات میں چھ دیوان (غزلوں) کے ہیں، فارسی اور اردو شعراء کے تذکرے ہیں۔ اس کے علاوہ منظومات پر مشتمل ایک ضخیم کلیات ہے۔ میر تقی میرؔ ۲۰؍ستمبر ۱۸۱۰ء کو لکھنؤ میں انتقال کرگئے۔
(کلیاتِ میر۔مرتب:ظل عباسی)

قائم چاندپوری

قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جاکر کہاں کمند
کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا
(کلیات قائم،ص۴۔مخزن نکات،ص۹

ٹوٹا جو کعبہ کونسی یہ جائے غم ہے شیخ
کچھ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا
(غزل نما،ص۲۴۹۔کلیات قائم،ص۸۷

درد دل کچھ کہا نہیں جاتا
آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا
(غزل نما،ص۲۵۹۔کلیات قائم،ص۲۵

کیا کیا عدم میں ہم پر ظلم وستم نہ ہوں گے
چرچے یہی رہیں گے اور ہائے ہم نہ ہوں گے
(تذکرہ ہندی،ص۱۹۵۔کلیات قائم،ص۲۳۸

دریا ہی پھر تو نام ہے ہر اک حباب کا
اٹھ جائے گر یہ بیچ سے پردہ حجاب کا
(تذکرہ میر حسن،ص۱۳۸۔کلیات قائم،ص۲

گو ہم سے تم ملے نہ تو کچھ ہم نہ مرگئے
کہنے کو رہ گیا یہ سخن دن گذر گئے
(تذکرہ میر حسن،ص۱۳۸۔کلیات قائم،ص۲۲۰

مرا کوئی احوال کیا جانتا ہے
جو گذرے ہیں مجھ پر خدا جانتا ہے
(تذکرہ گلشن ہند،ص۱۴۱۔کلیات قائم،ص۲۷۴

ایک جاگہ پہ نہیں ہے مجھے آرام کہیں
ہے عجب حال مرا صبح کہیں شام کہیں
(اردو شعری انتخاب،ص۶۱۔کلیات قائم،ص۱۱۹

مئے کی توبہ کو تو مدت ہوئی قائم لیکن
بے طلب اب بھی جو مل جائے تو انکار نہیں
(گلستان سخن،ص۴۳۴۔کلیات قائم،ص۱۳۰

مرجائیے کسی سے پر الفت نہ کیجئے
جی دیجئے تو دیجئے پر دل نہ دیجئے
(تذکرہ گلشن ہند،ص۱۴۱۔کلیات قائم،ص۲۱۲

نہ جانے کون سی ساعت چمن سے بچھڑے تھے
کہ آنکھ بھر کے نہ پھر سوئے گلستاں دیکھا
(غزل نما،ص۲۵۰۔کلیات قائم،ص۱۱

آدم کا جسم جن کے عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہی تو سو عاشق کا دل بنا
(کلیات قائم،ص۵۳

ہوگر ایسے ہی مری شکل سے بیزار بہت
تم سلامت رہو، بندے کے خریدار بہت
(آوارہ گرد اشعار،ص۵۷۔کلیات قائم،ص۵۷

شیخ محمد قیام الدین قائم کی پیدائش چاند پور (بجنور) میں ۱۷۲۲ء میں ہوئی۔دبستان دلّی کے اہم شاعر تھے۔ محمد شاہ کے عہد میں توپ خانے میں ملازم تھے۔تذکرہ مخزن نکات لکھ کر بڑا نام کیا۔ان کے اہم شاگردوں میں سنتوکھ رائے بیتابؔ شتابؔ رائے، نول رائے کا نام ہے۔۱۷۹۳ء میں رام پور میں انتقال کرگئے۔

شتاب رائے تاب

یا تنگ نہ کر ناصح نادان مجھے ایسے
یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی
(شعرائے ہنود،ص۳۹

شتاب رائے برہمن کشمیری پنڈت تھے۔دلّی میں آکر بس گئے تھے۔

تاباں

شعلہ بھڑک اٹھا میرے اس دل کے داغ سے
آخر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے
(شعرائے ہنود،ص۳۹ (جاری)

ڈاکٹر ایم ایم شیخ کی گراں قدر تصنیف ''قرآن اور تخلیق انسانی''

عبدالودود انصاری
(سابق پرنسپل اردو میڈیم گورنمنٹ ٹیچرس ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ)
نالی کل (مغربی بنگال)

سچ تو یہ ہے کہ وہ انسان بڑا ہی خوش نصیب ہے جو قرآن شریف کو سمجھ کر پڑھتا ہے کیونکہ اللہ کا حکم بھی ہے کہ قرآن کو سمجھ کر پڑھو یعنی آیتوں پر غور کرو۔

افلایتدبرون القرآن ام علی قلوب اقوالھا.

ترجمہ: تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ گئے ہیں۔ (سورۃ محمد: آیت: ۲۴)

ایسے ہی سعادت مندوں اور خوش نصیبوں میں ایک نام ڈاکٹر ایم ایم شیخ کا ہے جن کی کتاب قرآن اور تخلیق انسان قرآن کو سمجھ کر پڑھنے کی وجہ سے منصۂ شہود پر آئی ہے۔

یہ کتاب ۱۳۶ رصفحات پر مشتمل چھبیس عناوین کے تحت مکمل کی گئی ہے۔ مصنف نے کتاب کا انتساب والد بزرگوار کے نام کرکے بھی اپنی سعادت مندی کا بانگ دہل اعلان اس طرح دیا کہ ''جن کی شفقت و رہنمائی میں مجھے قرآن کریم کے مطالعہ کا ذوق و شوق ہوا'' اس جملے سے والد محترم کی بھی سعادت مندی عیاں ہوتی ہے کہ انہوں نے صدقہ جاریہ کے طور پر ایم ایم شیخ کو چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

مصنف نے سب سے پہلے اپنی بات کا آغاز نہایت ہی صدق دلی اور بلا خوف و ڈر کے قرآن کی حقیقت کا برملا اظہار کیا ہے:

''پہلے یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ قرآن کتاب ہدایت ہے سائنسی نظریات اور فارمولوں کی

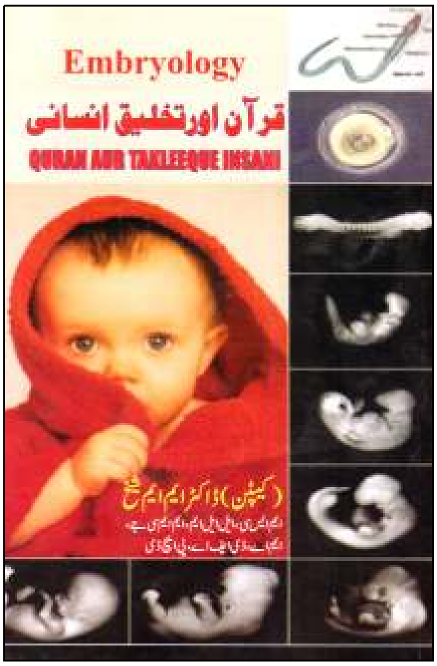

کتاب نہیں۔'' اس میں انسانوں کی دنیا و آخرت کی بھلائی کے احکامات ہیں۔'' (صفحہ ۰۹)

اس کے بعد جانکاری فراہم کرتے ہیں۔

''قرآن پاک میں چھ ہزار سے زائد آیات ہیں جو تقریباً ایک ہزار سائنسی موضوعات سے بحث کرتی ہیں۔'' (صفحہ: ۱۰)

کتاب کے صفحات بتاتے ہیں کہ اس کا ہر صفحہ مہینوں کے مطالعہ اور غور کے بعد مکمل کیا گیا ہے۔ تمام معلومات قرآن کی آیات کے حوالے سے پیش کی گئی ہیں اور آیتوں کے ترجمہ سورت اور نمبر بھی لکھ دیئے گئے ہیں تا کہ ایک عام پڑھا لکھا انسان بھی استفادہ کرسکے۔ زبان اتنی سادہ اور سہل کے ہر کسی کو آسانی سے سمجھ میں آجائے جو مصنف کی قابلیت، دوراندیشی اور تجربات کا واضح ثبوت ہے۔ ابتداء کے چند عنوانات کے تحت تخلیق انسانی کے قرآنی معلومات کے ساتھ کم و بیش تمام جدید نظریات پر خامہ فرسائی کی

گئی ہے۔ اس کے بعد حضرت آدمؑ حضرت حواؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ درمیان میں مٹی کے متعلق بھرپور سائنسی معلومات پیش کی گئی ہیں جو ایک عام سائنس کے طالب علم کے لئے جانکاری فراہم کرتی ہے۔ اس کے بعد مصنف کتاب کے نفس مضمون یعنی قرآن کی مختلف آیت کی روشنی میں انسانی تخلیق کے مراحل کے سلسلہ وار پانچوں مرحلے یعنی (۱) نطفہ (۲) علقہ (۳) مضغہ (۴) عظام اور (۵) لحم کے بارے میں واضح تصاویر کے ساتھ مدلل جانکاری فراہم کی گئی ہے۔ مصنف کے عمیق مطالعہ کا ہی نتیجہ ہے کہ انہوں نے موریس بوکائے، ڈاکٹر کیتھ مور، ڈاکٹر عبدالمجید زندانی اور مارشل جانسن جیسے ماہرین کے سائنسی نظریات کو بھی بڑے احسن طریقے سے پیش کیا ہے۔ مصنف نے یہ بھی بالکل صحیح محسوس کیا کہ موضوع کی مناسبت سے مختصر تاریخ طب کی بھی جانکاری فراہم کی جائے لہٰذا انہوں نے تاریخ طب پر بھی طائرانہ نظر ڈال کر اپنی باتوں میں وزن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب کے آخر صفحہ ۱۳۶ پر بیس کتابوں اور ان کے مصنفین کے نام لکھے ہیں جن سے انہوں نے استفادہ کیا ہے یہ فہرست بھی گنج ہائے گرانمایہ سے کم نہیں ہے۔ مصنف کے ادبی ذوق کا یہ بھی ثبوت ہے کہ مضمون میں جگہ جگہ مناسب اور معقول اشعار کا استعمال کرکے ادب اور سائنس میں امتزاج پیدا کیا ہے۔

اس حقیقت سے روشناس کروانا چاہوں گا کہ بعض اللہ والے ایسے ہوتے ہیں جن کی شکل و صورت دیکھتے ہی اللہ یاد آتا ہے۔ اور ایمان میں اضافہ ہوتا ہے یقین

جائے جو مجھے محسوس ہوا وہی لکھ رہا ہوں کہ کتاب میں مصنف سے اللہ نے ایسے جملے لکھوا دیا ہے کہ جن کو پڑھ کر اللہ پر مزید پختہ یقین ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر

(۱) یہ کائنات خود بہ خود وجود میں نہیں آ گئی بلکہ اسے ایک قادر المطلق ہستی نے پیدا کیا ہے اور وہی اس کا پورا انتظام چلا رہا ہے۔'' (صفحہ ۹)

(۲)'' آفاق کائنات کی ان چند نشانیوں کے علاوہ اگر انسان غور کرے تو خود اس کی اپنی رائے میں ایسی لاتعداد نشانیاں موجود ہیں جیسے رحم مادر میں جنین کی پرورش، افزائش، ولادت جسم کی نشوونما، بچپن، جوانی ، بڑھاپا اور پھر مخصوص مدت تک پہنچنے کے بعد وفات''۔ (صفحہ ۱۰)

(۳)'' جس حیرت انگیز طریقے سے اس کے (انسان کے) جسم کا مشینی نظام جاری ہے وہ خود اپنے اندر عظیم الشان نشانیاں رکھتا ہے۔'' (ص ۱۷)

(۴)'' اس کائنات میں سب سے بڑی حقیقت اور خالق کائنات کا شاہکار خود انسان کا اپنا وجود ہے جو اپنے جسم کے اعتبار سے تو بہت بڑا نہیں ہے مگر اس کی ساخت پر اگر باریکی سے غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس جیسی مشین آج تک کوئی بنا سکا نہ کوئی بنا سکے گا''۔ (صفحہ ۴۹)

(۵)'' خود انسان کا اپنا جسم اور اس کے اندر کی مشین ہی خدائے برتر کی قدرت حکمت کی روشن دلیل ہے۔'' (صفحہ ۵۳)

آخر میں مصنف کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور ساتھ میں ان کی سعادت مندی پر رشک بھی کرتا ہوں کہ اللہ نے ان سے ایسی کتاب لکھوا دی جو عام وخواص دونوں کے لئے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ کتاب کا ٹائٹل مضمون کے عین مطابق ہے اور عمدہ کاغذ پر بہترین چھپائی ہے۔ کمپوزنگ بھی ایسی کہ ہر عمر کے لوگ آسانی سے پڑھ سکیں۔ ویسے کئی جگہ کمپوزنگ کی غلطیاں در آئی ہیں جو ہر مصنف کے ساتھ نقش اوّل میں ہوتا ہے امید ہے نقش دوم میں دور کر لی جائیں گی، اس غلطی کا صادر ہونا بھی ضروری ہے تا کہ انسان جان لے دنیا میں غلطی سے پاک صرف اور صرف اللہ کی کتاب قرآن ہے اور کوئی دوسری ہو ہی نہیں سکتی۔

جناب ڈاکٹر ایم ایم شیخ ہمارے بڑے بھائی کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا مبالغہ آرائی سے پرے بس ان کی صحت سلامتی اور درازئ عمر کی دعاؤں کے ساتھ اپنی تحریر ختم کرتا ہوں۔ اللہ ان کی اس تصنیف کو قبول کر کے آخرت میں ذریعہ نجات بنادے۔ (آمین) اللہ حافظ

☆☆☆

بقیہ : عالمی یوم خواتین

مادہ جنین اور نوزائیدہ کا قتل، خاص طور پر ایسا دیہی علاقوں میں ہوتا ہے جو کہ ایک اہم تشویش ہے۔ خواتین کی حفاظت اور سلامتی بھی ایک اہم مسئلہ ہے، ہر سال جنسی طور پر ہراساں کرنے اور حملہ کرنے کے بہت سے واقعات رپورٹ ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں خواتین کو صنفی مساوات کو فروغ دینے اور ان کے مفادات کے تحفظ کے لیے کئی سالوں سے مختلف قانونی حقوق عطا کیے گئے ہیں۔ برابری کا حق، تعلیم، جائیداد، شادی اور طلاق، صحت، کام، مساوی تنخواہ، گھریلو تشدد کے خلاف اور جنسی ہراسانی کے خلاف اہم قانونی حقوق ہیں جو ہندوستان میں خواتین کو حاصل ہیں۔ ان چیلنجوں سے نمٹنے اور ہندوستان میں خواتین کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے، سماج کے تمام شعبوں سے مل کر کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ حکومت کو خواتین کی صحت، تعلیم اور معاشی طور پر انھیں بااختیار بنانے کی پالیسیوں پر عمل درآمد جاری رکھنے کی ضرورت ہے۔ سماج کی تمام سطحوں پر صنفی حساسیت اور تعلیم پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ خواتین کے بارے میں مثبت پیغامات کو فروغ دینے اور صنفی دقیانوسی تصورات کے خلاف لڑنے میں میڈیا بھی اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔ ہندوستان میں خواتین کی حالت میں نمایاں بہتری لانے کے لیے بہت طویل سفر طئے کرنا ہے۔ خواتین کے لیے ایک منصفانہ معاشرے کے لیے کام جاری رکھا جائے۔ ہندوستان میں خواتین کو درپیش چیلنجوں سے نمٹنے اور صنفی مساوات کو فروغ دے کر ہم اس بات کو یقینی بنا سکتے ہیں کہ خواتین زندگی کے تمام پہلوؤں میں پوری طرح سے حصہ لے سکیں اور ملک کی ترقی میں اپنا حصہ دے سکیں۔ خواتین کو بااختیار بنانے کا مطلب ہے کہ انہیں زندگی کے تمام پہلوؤں میں مکمل اور یکساں طور پر حصہ لینے کے لیے وسائل اور مواقع فراہم کیے جائیں۔

☆☆☆

(افسانچہ)

اصل وجہ

ڈاکٹر یوسف صابر (اورنگ آباد) 9326772575

رئیس : یار شاکر کیسے جا رہے ہیں رمضان۔

شاکر : اللہ کا کرم ہے آسانی سے ہو رہے ہیں روزے۔

رئیس : اتنی شدت کی گرمی میں !!!

شاکر : ہاں بھئی ہم جیسوں کے روزے کسی بھی موسم میں آسان جاتے ہیں۔

رئیس : وہ کیسے؟

شاکر : اب کیا بتائیں صاحب! ہم جیسے لوگوں کے اکثر دن فاقوں میں گذرتے ہیں ...... !!!

☆☆☆

غلام نبی خیاؔل کی صحافتی خدمات

ڈاکٹر محی الدین زور کشمیری
دارالادب فراش گنڈ، بڈگام

غلام نبی خیال کے مطابق ان کا جنم ۴ / مارچ ۱۹۳۹ء کو سرینگر کشمیر میں ہوا۔ ابتدائی تعلیم سرینگر کے ایک تاریخی اسکول ''اسلامیہ ہائی اسکول'' سے حاصل کی۔ پہلے ریڈیو کشمیر سرینگر میں ملازم ہوئے اور اس کے بعد جے اینڈ کے اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز میں بھی کچھ برس تک کام کیا، لیکن وہ سرکاری نوکریوں میں کچھ زیادہ دلچسپی نہیں لیتے تھے، اس لئے یکے بعد دیگرے دونوں نوکریوں سے الگ ہوئے۔ سیاسی دلچسپی بھی رکھتے تھے۔ اس وجہ سے انہیں جیل بھی جانا پڑا، جہاں کئی اہم کتابوں کا مطالعہ کیا اور مولانا محمد سعید مسعودی کے اثر میں بھی آگئے، اس طرح رُباعیات عمر خیام کا ترجمہ وہیں کیا۔ جیل سے چھوٹنے کے بعد وہ صحافت کے پیشے سے جُڑ گئے۔ مطالعے کو جاری رکھتے ہوئے جموں و کشمیر یونیورسٹی سے ایم اے اُردو کی ڈگری حاصل کی۔ مختلف زبانوں اور ادبیات کا مطالعہ اس قدر کیا کہ اب وہ بہ یک وقت تین زبانوں اُردو انگریزی اور کشمیری میں لکھتے ہیں، اچھّا خاصا speach دیتے ہیں اور ایک زبان کو دوسری زبان میں (بشمول فارسی) منتقل بھی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ تینوں زبانوں میں انعامات بھی حاصل کرلئے۔ تینوں زبانوں میں اب تک ان کی بتیس سے زائد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ مضامین بہت لکھتے ہیں، مختلف اخبارات، جرائد اور رسالوں میں چھپے ہوئے ان کے مضامین اور اخباری کالموں کی تعداد کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے۔

ان کی چند اہم کتابوں میں رباعیات عمر خیام (۱۹۶۱ء)، زنجورہ ہند ساز (۱۹۶۳ء)، گاشر منار (۱۹۷۳ء) اقباؔل اور تحریک آزادی کشمیر۔ (چار ایڈشنز) کاروانِ خیال، چنار رنگ، کشمیر کی وادی (ترجمہ) Leaves of Chinar (2012), Progressive Literary Movement in kashmir (2011) اور شبنم کا آتش کدہ وغیرہ خاص طور پر شامل ہیں۔ ان کے حاصل کردہ دو درجن انعامات میں ریاستی کلچرل اکاڈمی ایوارڑ، ساہتیہ اکاڈمی انعام وغیرہ اہم ہیں۔

اُردو، کشمیری اور انگریزی کے تقریباً سبھی بڑے بڑے ریاستی ملکی اور بین الاقوامی اخبارات رسائل اور جرائد میں ان کے مضامین تواتر سے چھپتے رہتے ہیں، وہ کئی پرنٹ اور الیکٹرانک ایجنسیوں کے ساتھ وابستہ رہے۔ کئی اخباروں اور رسائل کی ادارت بھی انھوں نے سنبھالی۔

غلام نبی خیاؔل نے اگرچہ تھوڑی ہی مدت کے لئے سرکاری نوکری کی، مگر وہ بھی ان کی صحافتی سروس میں ہی شمار کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ ریڈیو الیکٹرانک میڈیا میں آتا ہے اور کلچرل اکیڈیمی کے کام کو ادبی صحافت کے کھاتے میں ڈالا جاسکتا ہے۔ غلام نبی خیاؔل ایک اچھے صحافی ہونے میں کوئی دو رائے نہیں، البتہ صحافتی Management میں وہ کسی حد تک ناکام ہی رہے، اسی لئے وہ وید بھیسن Kashmir times فیاض احمد کلو Greater kashmir communication کشمیر اعظمٰی، ثنا اللہ بٹ (آفتاب) صوفی غلام محمد (سرینگر ٹائمز) کے جیسا کوئی اپنا Establishment نہیں بنا سکے۔ یہی حال پرتھوی راج کپور کا بھی تھا۔ وہ بہت بڑے فلم ساز اور اداکار مانے جاتے ہیں، لیکن بقولِ خواجہ احمد عباس وہ ناکام پرڈیوسر تھے۔ اس کے باوجود اگر پوری ریاست کی صحافتی تاریخ میں ہمیں مجموعی طور پر چند اچھّے صحافیوں یا قلم کاروں یا ادبی صحافیوں کی تلاش ہوگی، تو ہماری نظر محمد الدین فوقؔ کے بعد سیدھے غلام نبی خیاؔل پر رُکتی ہے۔

ان کی ادبی خدمات الگ۔ ان کی صحافتی زندگی پر ایک ضخیم کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ خیال صاحب کی ادبی و صحافتی خدمات کا جائزہ پوری طرح سے ابھی تک نہیں لیا گیا، اگرچہ انہیں کافی انعامات واعزازات سے نوازا گیا۔

ہندوستان میں جب ترقی پسند تحریک سکڑنے لگی، تو کشمیر میں اس نے اپنا سر نکالنا شروع کیا۔ یہاں کے بیشتر ادیب اس تحریک سے وابستہ ہوگئے۔ اس تحریک سے وابستہ قلم کاروں نے اپنی ترجمانی کے لئے ۱۹۵۴ء میں رسالہ ''کونگ پوش'' جاری کیا اور اس کی ادارت ۱۹۵۵ء غلام نبی خیاؔل کو سونپی گئی۔ ان کے ساتھ اس رسالے کی ادارت میں عبدالعزیز ہارون اور نور محمد روشن بھی شامل تھے۔ یہ رسالہ برسوں تک جاری رہا اور ہماری ادبی تاریخ کا ایک اہم باب رقم کر گیا۔ سیاسی سطح پر مسئلہ کشمیر نے کئی کروٹیں بدلیں۔ یہاں ''محاذ رائے شماری'' ایک سیاسی گروپ وجود میں آگیا اور ۱۹۶۴ء میں اس گروپ نے اپنا ترجمان ہفت روزہ ''محاذ'' جاری کیا، جس کے مدیر غلام نبی خیاؔل چُن لئے گئے، اس ہفت وار کا شیر کشمیر نمبر خاص یادگار رہے۔ یہ اخبار اپنی دم دار تحریروں کی وجہ سے حکومت کی نظروں میں کھٹکتا رہا، حکومت نے اس پرچے پر ۱۹۷۷ء میں پابندی لگادی۔ خیال صاحب کو سیاسی پشت پناہی بھی حاصل تھی، اس لئے انہوں نے ۱۹۶۵ء میں بہت

جلد اپنا پہلا کشمیری ہفت روزہ ''وطن'' جاری کیا۔اخبار ''وطن'' کشمیری زبان میں تھا ، جس کی Readership محدود تھی، اس لئے خیال صاحب کو یہ اخبار جون ۱۹۶۸ء میں بند کرنا پڑا۔ اس کے ۱۰۶ شماروں میں کچھ خصوصی شمارے جیسے امن نمبر، شہید نمبر، محرم نمبر وغیرہ آج بھی حوالے کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔''امن نمبر'' ایک سو صفحات پر مشتمل ہے، جس کی نظیر صحافتی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔''وطن'' کے بند ہوجانے کے بعد انہوں نے ۱۹۶۸ء میں اپنا اُردو ہفت روزہ ''اقبال'' شائع کیا ہے، جس کو بعد میں روزنامہ کردیا گیا۔ یہ اخبار باقی اخبارات سے کچھ ہٹ کر ضرور تھا، اسے ہم نیم ادبی اخبار کہیں گے۔اس اخبار میں سردار جعفری ، حسرت جے پوری ، دلکش آفریدی ، بانو سرتاج ، لیلا لکھنوی وغیرہ جیسے قلم کار چھپتے تھے۔خیال صاحب کو کچھ اپنی ذاتی مجبوریوں کے سبب اس کو بھی ۱۹۷۵ء میں بند کرنا پڑا۔

اس دوران خیال صاحب نے صحافت کا دوسرا رُخ اپنا لیا۔ وہ India Today نیوز میگزین کے نامہ نگار دس سال تک رہے۔۱۹۷۷ء میں Status man کے نامہ نگار ہوئے۔کشمیر یونیورسٹی میں جب منظور الامین کی سربراہی میں شعبۂ ماس کمیونیکیشن کھل گیا، تو خیال صاحب کو وزیٹنگ پروفیسر کے طور پر وہاں دو سال کے لئے بلایا گیا۔ انہوں نے ریاستی، ملکی اور غیر ملکی بہت سارے اخبارات اور نیوز چینلوں کے لئے کام کیا۔جن میں وائس آف امریکہ، انڈیا ٹوڈے، السٹریڈ ویکلی آف انڈیا، سنڈے میل، گجرات سماچار، نیشن پاکستان، جرمن ریڈیو، سکائی نیوز ٹی وی لندن، گارڈین لندن ، پاکستان ٹیلی وژن، نوائے وقت پاکستان، ٹائم میگزین امریکہ جیسے اہم ادارے شامل ہیں۔رواں شورش کے دوران غلام نبی خیال پر نامعلوم ایجنسیوں نے دو بار جان لیوا حملے کئے، جس کی وجہ سے انہیں بیرونی ممالک کی نیوز ایجنسیوں کے ساتھ کام کرنا ترک کرنا پڑا۔ پھر بھی وہ ۲۰۰۲ء سے اپنا انگریزی نیم ادبی پرچہ Voice of kashmir نکال رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اُردو کشمیری اور انگریزی کے چوٹی کے ادبی رسالوں میں ان کے ادبی وثقافتی مضامین تواتر سے چھپتے رہے ہیں۔جن میں شیرازہ، ہمارا ادب (اُردو، کشمیری، انگریزی) کلچرل اکیڈیمی، اُردو دُنیا، ایوانِ اُردو، آج کل (دلّی) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ غلام نبی خیالؔ Greater kashmir کے ساتھ ساتھ وادی کشمیر کے مختلف اخباروں اور رسالوں جیسے کشمیر اعظمیٰ، کشمیر پرچم، بے لاگ وغیرہ کے لئے حالات حاضرہ پر لگاتار Freelance کے طور پر مضامین لکھتے رہے۔

خیال صاحب کو حاصل مختلف انعامات میں ناگری پرچارنی سبھا کلکتہ ۱۹۷۶ء جرنلسٹس ویلفیئر فونڈیشن ایوارڈ نئی دہلی (۱۹۸۲ء) لالہ ملک راج صراف ٹرسٹ ایوارڈ جموں (۱۹۸۹ء) دوردرشن ایوارڈ چندی گڑھ ۲۰۰۶ء، دستارِ فضیلت (پیش کردہ ریڈیو کشمیر کشتواڑ (۲۰۱۳ء) اور راج بیگم ایوارڈ سرینگر ۲۰۱۴ء بھی شامل ہیں۔۱۹۷۶ء میں انہوں نے کل ہند ایڈیٹرس کانفرنس کے سلسلے میں بھارت کی وزیر اعظم اندرا گاندھی سے ملاقات کی۔انہیں برٹنڈ رسل نے ۱۹۶۶ء میں ایک خط بھی لکھا۔ خیال صاحب نے جنوری ۱۹۹۰ء میں وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف کا لاہور میں انٹرویو لیا۔اسی طرح صدر ہند گیانی ذیل سنگھ (جولائی ۱۹۸۶ء) سکندر حیات خان وزیر اعظم پاکستانی مقبوضہ کشمیر (۱۹۸۷ء) فروری ۱۹۸۷ء میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق، ۱۹۷۹ء لتا منگیشکر، ۱۹۹۶ء میں، نصرت فتح علی خان اور گلزار وغیرہ جیسے عالمی شہرت یافتہ شخصیات کے انٹرویوز بھی انہوں نے لئے ہیں۔

اخبار Voice of kashmir آٹھ صفحات پر پھیلا ہوا ہوتا ہے، اس میں حالات حاضرہ کے ساتھ ساتھ ادبی اور ثقافتی مسائل اور مباحث بھی چھپتے ہیں۔خاص کر کشمیر کی ثقافت کو انگریزی زبان کے ذریعے فروغ دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اُردو زبان و ادب کے بارے میں بھی اس میں انگریزی زبان میں مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔ساتھ ہی خیال صاحب کی اپنی کتاب My story My kashmir اس اخبار کے ذریعے سیریل کی صورت میں قارئین تک پہنچادی گئی۔ مقامی ادب پاروں کا ترجمہ بھی انگریزی میں پیش کیا جاتا ہے۔

خیال صاحب آج کل بڑی آزادی کے ساتھ اُردو انگریزی میں کشمیر کے بارے مضامین لکھتے رہتے ہیں، جو کہ مقامی اخبارات اور رسائل کی زینت بنتے ہیں۔ یہ مضامین زیادہ تر سیاسی اور تاریخی نوعیت کے ہوتے ہیں، جن میں ان کا نظریہ مسئلہ کشمیر صاف جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔علاوہ ازیں Only Stinking, Dal for Kashmir (GK) ,Migrant Matters جیسے مضامین بھی ہمیں پڑھنے ملتے ہیں۔مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ریاست کے تمام قلم کاروں میں ''کشمیریات'' کی ترجمانی سب سے زیادہ واضح طور پر خیال صاحب ہی کیا کرتے ہیں۔

☆☆☆

پی ایچ ڈی کی رہنمائی اور مقالہ کی اصلاح کے لئے رابطہ قائم کریں۔

ڈاکٹر یوسف صابر

اسوسی ایٹ پروفیسر جے جے ٹی یونیورسٹی راجستھان

9326772575

کلیدی خطبہ __ سمینار بعنوان نئی صدی اور اُردو شاعری

ڈاکٹر یوسف صابر (اورنگ آباد)
موبائل : 9326772575

نثر اگر اردو ادب کی جان ہے تو شاعری اردو زبان و ادب کی شان ہے۔ کئی برسوں سے بلکہ صدیوں سے شاعری کا اردو زبان وادب کے فروغ میں نہایت اہم حصہ رہا ہے۔ جس طرح ابن صفی کے ناول پڑھنے کی خاطر لوگوں نے اردو سیکھی اور اس پر عبور حاصل کیا اسی طرح شعر سن کر لوگ اردو زبان کے گرویدہ ہوئے اور انھوں نے نہ صرف اس زبان کو سیکھا بلکہ اس پر عبور بھی حاصل کیا۔ ساری دنیا کو نثر کے مقابلے اردو شاعری نے زیادہ متاثر کیا اور اس میں خصوصاً صنف غزل نے، آج اس ایک دن کے قومی سمینار میں ہم ''نئی صدی اور اردو شاعری'' کے تحت یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اس عنوان کے تحت متعدد تحقیقی مضامین جمع ہوئے ہیں، جنھیں کتابی شکل دے کر ایک دستاویز کی حیثیت عطا کر دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ آنے والے وقتوں میں ادبی دنیا میں اس کا مطالعہ کیا جائے گا، اس کے حوالے پیش کئے جائیں گے، تحقیق میں اس سے مدد لی جائے گی اور اس پر تنقید بھی ہوگی۔

نئی صدی سے مراد اکیسویں صدی کا ابتدائی دور یا اکیسویں صدی کا ربع اول ہے، اسی مناسبت سے (۴۰) سے زیادہ تحقیقی مضامین جمع ہوئے ہیں جنھیں سلیقے سے ترتیب دے کر ہما کوثر اسوسیٹ پروفیسر و صدر شعبہ (اردو کے آر ایم مہیلا مہاودیالیہ ناندیڑ، مہاراشٹر) نے کتابی شکل میں ISBN کے ساتھ سمینار کے انعقاد سے پہلے ہی شائع کر دیا ہے اور اس کا اجراء اسی سمینار میں کر دیا جائے گا۔ اس انمول کام کے لئے کے آر ایم مہیلا مہاودیالیہ سنستھا، پرنسپل اور صدر شعبہ اردو ہما کوثر اور اس سمینار کے لئے لکھنے والے سبھی قلم کاروں کو میں اردو زبان وادب کی جانب سے دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اس سمینار کے لئے لکھے جانے والے مضامین میں ندرت ہے، یقین ہے کہ اکیسویں صدی کی ادبی تاریخ مرتب کرنے میں ان مضامین سے بھی بہت کچھ نہ سہی کچھ نہ کچھ تو مدد لی جائے گی۔ اس کتاب میں راحت اندوری کے اشعار پر بات کی گئی ہے۔ کشور ناہید، ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی، میر بیدری، محمد اعظم شاہ، نیلم انتولے، ڈاکٹر راہی فدائی، ڈاکٹر سلیم محی الدین، طاہر حسین طاہر، ڈاکٹر مقبول احمد مقبول، حسنین عاقب، ڈاکٹر معیمہ جعفری، اشوک مزاج بدر، محمد بلال انور اور رزاق شاہد کے اشعار پر بھی بات کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اکیسویں صدی میں مالیگاؤں میں اردو شاعری، عصر حاضر میں اردو نظم، اکیسویں صدی کی شاعرات اور جدید غزل، اکیسویں صدی کے نمائندہ غزل گو شعراء، اکیسویں صدی میں اردو شاعری، اکیسویں صدی میں اردو غزل کی روایت، جدید نظم میں تانیثیت کے عناصر، دور حاضر میں غزل اور نظم کا مطالعہ، اکیسویں صدی کی شاعری اور عصری تقاضے، اکیسویں صدی کے پہلے ربع میں غزل گوئی کا سرسری جائزہ، برصغیر میں نسل نو کے نمائندہ شعراء، جدید اردو غزل میں محبوب کا تصور، نئی صدی میں اردو نظم کے رجحانات، اکیسویں صدی میں اردو غزل کا موضوعاتی مطالعہ، اکیسویں صدی میں شہر ناندیڑ کے نمائندہ شعراء، اکیسویں صدی کی طویل ترین محاوراتی غزل، جدید نظم کے اہم شعراء کا سرسری مطالعہ، جدید اردو نظم کی روایت، اکیسویں صدی کے غیر مسلم اردو شعراء کے کلام کا تجزیہ جیسے عنوانات کے تحت اچھا خاصا تحقیقی و تنقیدی مواد ''نئی صدی اور اردو شاعری'' میں شامل ہے۔ میں نے اس کتاب کے چند مضامین کا سرسری مطالعہ کیا ہے۔ مجھے اکیسویں صدی کے پہلے ربع میں غزل گوئی کا سرسری جائزہ، اکیسویں صدی میں مالیگاؤں میں اردو شاعری اور ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی بحیثیت مثنوی نگار تحقیقی مضامین عنوانات اور کتاب کا حق ادا کرتے نظر آئے۔ اس کتاب میں متعدد مضامین کے عنوانات ایسے ہیں جو خود اکیلے کتابی شکل میں شائع کئے جاسکتے ہیں۔ یہ عنوانات مضامین پڑھنے کا شوق قارئین کے دلوں میں پیدا کرتے ہیں۔ میں نے ابھی چند مضامین ہی پڑھے ہیں ان میں نہ صرف کمیاں بلکہ فاش غلطیاں بھی نظر آئی ہیں۔ جیسے اکیسویں صدی میں شہر ناندیڑ کے نمائندہ شعراء میں ایسے شعراء بھی شامل ہیں جو نمائندہ شعراء کے زمرے میں نہیں آتے اور ایسے شعراء کا ذکر نہیں ملتا جو نمائندہ شعراء کے زمرے میں آتے ہیں۔ ''شبلی نعمانی بحیثیت نظم نگار'' اس مضمون کا اکیسویں صدی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کتاب میں اس کی شمولیت غیر واجبی ہے۔ مضمون ''اکیسویں صدی کے غیر مسلم اردو شعراء کا تجزیہ'' عنوان بڑا عمدہ ہے مگر ایک تو عنوان شعراء کا تجزیہ کی بجائے شعراء کی شاعری کا سرسری مطالعہ ہونا چاہئے تھا اور دوسری بات اس تحقیقی مضمون کو مقالہ نگار نے بڑی محنت وعرق ریزی سے تیار کیا ہے اس کے باوجود یہ مضمون اپنے عنوان کا حق ادا کرتا دکھائی نہیں دیتا کیونکہ اس میں متعدد شعراء کا تعلق اکیسویں صدی سے نہیں ہے۔

اس سمینار کا عنوان ''نئی صدی اور اردو شاعری'' عنوان بہت عمدہ ہے۔ اس کی عمدگی میں مزید اضافہ ہوتا اگر

اسے ''اکیسویں صدی کا ابتدائی دور اور اردو شاعری'' یا ''اکیسویں صدی کا پہلا ربع اور اردو شاعری'' کردیا جاتا۔ اردو ادب میں ''ترقی پسند تحریک'' کے بعد کوئی منظم تحریک عمل میں نہیں آئی۔ جدیدیت اور مابعد جدیدیت رجحانات و غیر منظم تحریک کے تحت ادب کی تاریخ کو تقسیم کیا گیا مگر اس کے بعد ایسا کوئی نام سامنے نہیں آیا جس کے تحت ہم ادب کی تاریخ مرتب کرتے یا سمیناروں کا انعقاد عمل میں لاتے۔ اکیسویں صدی کا پہلا ربع مکمل ہونے میں ابھی دو سال باقی ہیں مگر اس عرصے میں اردو ادب نے کچھ پایا ہے تو کچھ کھویا بھی ہے۔ راحت اندوری، بشر نواز، مناظر عاشق ہرگانوی، منور رانا، شارب ردولوی، فہیم احمد صدیقی، یونس فہمی اور نئی نسل کے شاعر زرتاج ہاشمی جیسے متعدد شعراء وادباء اس عرصے میں انتقال کر گئے۔ یہ اردو ادب کا بہت بڑا نقصان ہوا ہے جس کا ذکر اکیسویں صدی کے ادب کی تاریخی کتابوں میں آگے بھی ہوتا رہے گا۔ اشعار کی تخلیق کا وقت بتانا مشکل کام ہے۔ اکیسویں صدی کے ابتدائی دور میں اردو زبان و ادب کے متعدد اشعار ادبی دنیا میں گونج رہے ہیں جن کی تخلیق بیسویں صدی یا اس سے بھی پہلے کے وقتوں میں ہوئی۔ جب اشعار کو بے حد مقبولیت حاصل ہوتی ہے تو وہ وقت کی قید سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ چند اہم نکات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم اکیسویں صدی کے ابتدائی دور کی شاعری کو الگ کر سکتے ہیں جیسے بیسویں صدی کے وہ مقبول اور صف اول کے شعراء جو بیسویں صدی کے پہلے ربع میں حیات رہے اور جن کے اکیسویں صدی کے تخلیق کردہ اشعار ہمارے علم میں ہوں۔ خودنوشت منظوم سوانح حیات جو اکیسویں صدی کے پہلے ربع میں تخلیق ہوئے ہوں۔ یہ کارنامہ ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی نے بھی انجام دیا ہے گو کہ وہ اس وقت ہمارے درمیان نہیں رہے ہیں۔ حال ہی میں انکا انتقال ہوا ہے مگر ان کی تخلیق کردہ خودنوشت منظوم سوانح عمری اکیسویں صدی کا اہم حصہ رہے گی اور طویل شعری صنف سخن مثنوی کو زندہ رکھنے کے لئے انھیں آئندہ یاد رکھا جائے گا۔ ایسے شعراء جن کی عمریں چالیس تا پچاس برس کے اندر ہے ان کی شاعری بھی اکیسویں صدی کے پہلے ربع کی شاعری تسلیم کی جائے گی۔ جیسا کہ ڈاکٹر مبین نذیر نے ''اکیسویں صدی میں مالیگاؤں میں اردو شاعری'' تحقیقی مضمون تحریر کر کے مالیگاؤں کے شعراء کی شعری خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ متعدد شعراء ہیں جنھوں نے طویل عمریں پائی اور اکیسویں صدی کے پہلے ربع میں بھی شاعری کی زلفیں سنواری اور ابھی حیات ہیں۔ ان میں نذیر فتح پوری، محبوب راہی، علیم صبا نویدی، سراج زیبائی، صلاح الدین نیر، ارتکاز افضل، اسلم مرزا، جاوید اختر، شفیع احمد شفیع، عبدالواحد جاذب، ذاکر خان ذاکر، ڈاکٹر سلیم نواز حشر، نذیر اقبال، بشیر احمد بشیر کشتواڑی، خلیق الزماں نصرت، خان شمیم، رضا جالنوی، بشارت علی خان اختر، سیفی سرونجی، شاہ حسین نہری، منظر بھوپالی، کوثر پروین کوثر، قاضی خلیل صدیقی، کرشن کمار طور، اظہر نیر، فرحت حسین خوشدل، صبا گنجوی، سعید رحمانی، رؤف خیر، محمد شاہد پٹھان، منوج متل کیف، کاوش اجمیری، ڈاکٹر مختار نفیس، سید قاسم قالب جالنوی، ڈاکٹر معصوم شرقی، بشیر بدر اور ارشد مینا نگری کے علاوہ متعدد شعراء شامل ہیں۔ ارشد مینا نگری ایک ایسے شاعر ہیں جنھوں نے اکیسویں صدی کے پہلے ربع میں کئی ایسے شعری کارنامے انجام دیئے جس کی مثال کہیں نہیں ملتی ہے۔ ''دل''، ''ماں'' اور دیگر موضوعات کے نام سے انھوں نے ایسے شعری مجموعے تخلیق کئے جن میں (۲۰) سے زائد مروج و غیر مروج شعری اصناف موجود ہیں۔ یہ تجربہ انھوں نے حمد و نعت کے لئے بھی کیا ہے۔

میں اکیسویں صدی کے پہلے ربع کے چند اشعار پیش کر کے اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

بربریت ختم کب ہوگی یہ اسرائیل کی
داستاں کب ختم ہوگی ابرہہ اور فیل کی

(نظم 'آہ فلسطین'۔ شاعر: سراج زیبائی۔ شیموگہ کرناٹک)

رانا جس وقت زیر خاک ہوا
ماں کی دھرتی کا سینہ چاک ہوا

(علیم صبا نویدی۔ چنئی)

اتنی جلدی کرو نہ جانے کی
سانس رک جائے گی زمانے کی

(علیم صبا نویدی۔ چنئی)

منظر مقتل بنی تھی گشت والی ہر گلی
وہ جگہ محفوظ تھی جس جا کوئی پہرہ نہ تھی

(ایس ایس سندھو۔ سابق کلکٹر)

میں غزل میں اسے منالوں گا
وہ جو روٹھے کبھی کہانی میں

(شفیع احمد شفیع۔ پربھنی)

اب سناتا ہوں وہ خونی داستاں
جس کی زد میں آگیا سارا جہاں
پھیلی ہرسو جان لیوا اک وباء
تھی کرونا نام کی قاتل فضاء
سلسلہ جاری ہوا اموات کا
سارا عالم ہوگیا دہشت زدہ
کر رہا تھا چھوڑ کر سب کام کاج
وہ کورونا کے مریضوں کا علاج
اس کو رب سے ایک نعمت مل گئی
میرے بیٹے کو شہادت مل گئی

(خودنوشت منظوم سوانح حیات مثنوی ''سرابوں کا سفر'' سے ماخوذ)

راجستھان کے ایک غیر مسلم برگزیدہ ادیب وشاعر پروفیسر پریم شنکر سریواستو شنکر

ڈاکٹر قمر نازنین (اسسٹنٹ پروفیسر)
گیسٹ فیکلٹی، شعبۂ اردو فارسی، راجستھان یونیورسٹی، جے پور
موبائل : 9983700001

☆خلاصہ **(Abstract)**

اردو زبان کسی خاص فرقہ یا فکر وخیال کے لوگوں یا کسی مخصوص خطے یا علاقے کی زبان نہیں۔ اس کی آبیاری اور اس کے ادب کی ترویج و اشاعت ہندوستان کے ہر خطے اور علاقے میں ہر مذہب و ملت کے لوگ کرتے ہیں۔ ان میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی ہر مذہب اور عقیدے کے لوگوں کا حصہ شامل ہے۔ یہی صورتحال ملک کے دوسرے علاقوں کی طرح راجستھان میں بھی نظر آتی ہے۔ آزادی سے قبل متعدد دیسی ریاستوں کے دفاتر میں اردو کا استعمال سرکاری زبان کی حیثیت سے ہوتا تھا۔ ریاستوں کے قوانین کے مجموعے اردو میں شائع کئے جاتے تھے۔ ریاستوں کی تاریخیں اردو زبان میں طبع کرائی جاتی تھیں اور کسی بھی بھید بھاؤ کے بغیر ہر عقیدے کے لوگ اردو شعروادب سے وابستہ تھے۔ اس کا ثبوت ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی کی تصنیف ’’راجستھان میں اردو زبان و ادب کے لئے غیر مسلم حضرات کی خدمات‘‘ سے ملتا ہے جو ۱۹۸۵ء میں شائع ہو چکی ہے۔

اگر چہ آزادی کے بعد راجستھان میں اردو کی وہ صورتحال قائم نہیں رہی جو آزادی سے قبل تھی۔ مگر اس کے باوجود مسلمانوں کے علاوہ بہت سے غیر مسلم حضرات بھی اردو شعر و ادب کی آبیاری کرتے رہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

پروفیسر پریم شنکر سریواستو انگریزی کے پروفیسر تھے مگر اردو سے ان کو والہانہ عشق تھا۔ انہوں نے پہلی بار صوبائی سطح پر راجستھان کے معاصر شعراء کا تذکرہ مرتب کیا۔ وہ ایک اچھے شاعر بھی تھے اور انشاپرداز بھی۔ وہ طنز ومزاح کے بھی ماہر تھے۔ اس مختصر مضمون میں ان کے متعلق مختصر معلومات پیش کی گئی ہیں۔

☆تعارف **(Introduction)**

پریم شنکر سریواستو کا وطن اتر پردیش میں تھا۔ ان کے جد امجد منشی گیا پرشاد ریاست جھالاوار کے قیام کے بعد مہاراج رانا ظالم سنگھ کے عہد حکومت (۱۸۷۵ء تا ۱۸۸۶ء) کے دور میں یوپی کے ضلع اناؤ سے جھالاواڑ آئے تھے اور وکالت ذریعہ معاش بنایا تھا۔ اسی زمانہ میں ریاست جھالاواڑ میں اردو کو بڑا فروغ حاصل ہوا تھا۔ سرکاری دفاتر میں اردو استعمال کی جاتی تھی۔ اردو میں ریاست کے قوانین شائع کئے گئے تھے۔ اردو میں تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ ریاست کی تاریخ ’’چہار چمن‘‘ کے نام سے ریاست کی فوج کے افسر اعلیٰ بیکن خاں نے اردو ہی میں مرتب کی تھی جو ۱۸۸۳ء میں جھالاواڑ ہی میں شائع ہوئی تھی۔ غرض جھالاواڑ شہر اردو کا ایک چھوٹا سا گہوارہ بنا ہوا تھا جہاں شعروسخن کے چرچے عام تھے۔ مہاراجہ ظالم سنگھ کے جانشین مہاراجہ بھوانی مہاراج رانا بھوانی سنگھ کا عہد حکومت (۱۸۸۶ء تا ۱۹۲۹ء) جھالاواڑ میں اردو کی ادبی تاریخ کا سنہرا دور کہلاتا ہے۔ اسی دور میں منشی کنہیالال کے پوتے اور منشی گیا پرشاد کے بیٹے پریم شنکر سریواستو جولائی ۱۹۲۰ء میں جھالاواڑ میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے

والد جھالاواڑ کے ایک مشہور وکیل تھے۔ خاندانی روایت کے مطابق پریم شنکر نے ابتدائی اردو تعلیم جھالاواڑ ہی میں حاصل کی تھی۔ اس کے بعد میرٹھ، اجمیر اور لکھنؤ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۳۵ء میں گورنمنٹ کالج اجمیر سے بی اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد ۱۹۴۰ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے انگریزی ادب میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۴۳ء میں جودھپور کے جسونت کالج میں انگریزی کے لکچرر ہوگئے۔ راجستھان بننے کے بعد ۱۹۶۲ء میں ان کا تبادلہ گورنمنٹ کالج اجمیر میں ہوگیا اور وہاں سے ڈونگر کالج بیکانیر میں صدر شعبہ کی حیثیت سے تبادلہ پر چلے گئے، وہیں ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد جودھپور میں مستقل سکونت اختیار کی اور وہیں آپ کا انتقال ہوا۔

پریم شنکر صاحب کو اردو زبان اور شعر وادب سے بچپن ہی سے لگاؤ تھا۔ ان کے والد اور دادا اردو ہی میں لکھنے پڑھنے کا کام کرتے تھے۔ خود پریم شنکر صاحب کو بھی ابتدائی تعلیم اردو ہی کی دلوائی گئی تھی جو ہائی اسکول تک جاری رہی۔ اس زمانہ میں جھالاواڑ میں اردو شعروسخن اور علم و ادب کا ماحول تھا۔ اسی ماحول نے پریم شنکر کے ذوق سخن کو پروان چڑھایا۔ اجمیر اور لکھنؤ میں تعلیم کے دوران وہاں کی ادبی صحبتوں اور شعری بزموں نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ تعلیم کے زمانے ہی سے وہ شعر کہنے لگے اور شنکر تخلص اختیار کیا۔ ملازمت شروع ہونے کے بعد

ایسے حضرات سے تعلقات بڑھتے رہے جن کی صحبتوں نے ان کے ذوق سخن کو مزید تقویت پہنچائی۔ موصوف نے اپنے شعری و ادبی ذوق کی تکمیل کے سلسلہ میں خود اپنے حالات میں لکھا ہے:

''اپنے شعری و ادبی ذوق کے وکاس کے لئے پروفیسر رضوی (پروفیسر تراب حسین رضوی) کے علاوہ میں قبلہ شاغل جے پور (مولانا احترام الدین شاغل) جناب حضرت جودھپوری، جناب عارف بیکانیری اور جناب کول جودھپوری کا بہت شکر گذار ہوں۔'' (راجستھان کے موجودہ اردو شاعر۔ پریم شنکر سریواستو۔ ص ۳۲۶)

☆پریم شنکر سریواستو کی ادبی خدمات :

پریم شنکر سریواستو تعلیم سے فارغ ہو کر اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے ساتھ اردو زبان و ادب اور اردو شعر و سخن کی خدمت بھی انجام دیتے رہے اور جہاں بھی رہے اپنے ذوق شعر و ادب کی تکمیل کرتے رہے۔ یہ سلسلہ آخری دم تک جاری رہا۔ وہ ایک اچھے شاعر بھی تھے اور اچھے نثر نگار اور انشاء پرداز تھی۔ شاعری میں انہوں نے کلاسیکی ادب اور روایتی شاعری کا احترام کرتے ہوئے جدید رنگ کو بھی اپنایا اور مختلف اصناف سخن بالخصوص غزل، نظم، قطعہ اور رباعی وغیرہ میں طبع آزمائی کی۔ بطورِ نمونہ چند شعر ملاحظہ فرمائیں۔

باغباں پھینک نہ یوں حدِ چمن سے باہر
راز گلشن تو ہے پوشیدہ انہی خاروں میں

☆

ملی ان کو جو سلطانی، ہوئے مغرور وہ اتنے
کہ ان کو آج اپنا بھی نظر بیگانہ آتا ہے

☆

پریشاں حال ہیں لیکن ہمیں ہے پاس خودداری
ہمارا سر کسی کے آستاں پر خم نہیں ہوتا

☆

اب نہ کوئی سلطنت ہے اور نہ اب سلطان
میری دنیا میں فقط انسان ہی انسان ہے

☆

سامنے منزل ہے وقت شام ہے
زیست اب آرام ہی آرام ہے

پریم شنکر نے غزلیں بھی کہی ہیں، پابند نظمیں بھی لکھی ہیں، آزاد نظمیں بھی لکھی ہیں۔ ان کا کلام مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتا رہا ہے۔ نظم کے ساتھ آپ کو نثر پر بھی قدرت حاصل ہے۔ آپ کا سب سے بڑا نثری کارنامہ راجستھان کے معاصر شعراء کا تذکرہ ہے جو آپ نے ''راجستھان کے موجودہ اردو شاعر'' کے نام سے مرتب کیا تھا اور اسے دیوناگری رسم الخط میں راجستھان ساہتیہ اکادمی اودے پور میں ۱۹۶۶ء میں شائع کیا تھا۔ ۵۲۴ر صفحات پر مشتمل اس تذکرہ میں راجستھان کے جے پور، ٹونک، دھولپور، اجمیر، بیکانیر، چورو، جودھپور، ناگور، مکرانہ، پربت سر، کوٹہ، جھالاواڑ، بوندی، باراں، چھپا بڑود، مانگرول، اودے پور، بھیلواڑہ اور جھنجھنوں کے ایسے ۱۵۲ر شعراء کا تعارف اور نمونۂ کلام شامل ہے جو تذکرہ کی ترتیب و تدوین کے زمانے میں حیات تھے۔ اس اعتبار سے راجستھان بننے کے بعد صوبائی سطح پر شائع ہوا، یہ پہلا تذکرہ ہے۔ تذکرہ کے آغاز میں مرتب کا لکھا ہوا ایک تفصیلی دیباچہ ہے جو معلومات افزا ہے۔ اس تذکرہ میں قرولی، سوائی مادھوپور، مالپورہ اور سروہی کے کسی شاعر کا ذکر نہیں ہے جبکہ اس زمانے میں ان مقامات پر بھی شعر و سخن کا سلسلہ جاری تھا۔

پریم شنکر کی طبیعت میں مزاح اور طنز لطیف کا عنصر بھی شامل ہے جس کا اظہار آپ کی نظم و نثر کی تخلیقات میں جا بجا نظر آتا ہے۔ آپ نے ''چھپچھے'' کے نام سے دیوناگری رسم الخط میں ایک کتاب مرتب کی جو شائع ہو چکی ہے۔ نیز اردو میں ''راجستھان میں اردو طنز و مزاح'' کے نام سے مضامین کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جس میں راجستھان کے اہل قلم کے طنزیہ اور مزاحیہ مضامین شامل ہیں۔ یہ کتاب راجستھان اردو اکادمی جے پور نے ۱۹۹۲ء میں شائع کی تھی۔ آپ نے ریٹائرمنٹ کے بعد جودھپور میں ''زندہ دلانِ جودھپور'' کے نام سے ایک ادبی سوسائٹی بھی قائم کی تھی جس کے زیر اہتمام ادبی تقریبات منعقد کی جاتی تھیں۔

شنکر صاحب نے ریڈیائی ڈرامے بھی لکھے تھے۔ آپ کے لکھے ہوئے ریڈیائی ڈرامے نیچرس اور ٹاک جے پور، اجمیر اور بیکانیر ریڈیو اسٹیشنوں سے نشر ہوتے رہتے تھے اور آپ کے مضامین اور مقالات رسائل و جرائد میں شائع ہوتے تھے۔

پریم شنکر راجستھان کی ادبی انجمنوں سے ہمیشہ جڑے رہے۔ آپ انجمن ترقی اردو راجستھان کے نائب صدر، راجستھان ساہتیہ اکیڈیمی کی سرسوتی سبھا اور تخلیقی ادب کمیٹی کے ممبر رہے۔ ساہتیہ اکادمی اودے پور کا سہ ماہی رسالہ ''نخلستان'' آپ ہی کی ادارت میں جاری ہوا تھا۔

راجستھان اردو اکادمی کی تشکیل کے بعد آپ اردو اکادمی کے رکن بھی رہے۔ اکادمی نے آپ کی ادبی خدمات کے اعتراف میں آپ کو ۱۹۷۷ء میں اعزاز سے نوازا تھا۔ آپ نے تمام عمر علمی و ادبی مشاغل میں گذاری اور آخر دم تک یہ سلسلہ جاری رکھا۔

☆☆☆

سہ ماہی ادبی رسالہ "عکسِ ادب" اورنگ آباد کے ۱۱ تا ۲۰ شماروں کا تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر یوسف صابرؔ کی صحافتی خدمات کے حوالے سے

(قسط۔۲)

ڈاکٹر عابد حسین ایم ایس (مالیگاؤں)
موبائل : 8668790562

☆خلاصہ (Abstract)

سہ ماہی ''عکسِ ادب''، سرزمینِ اورنگ آباد سے جاری ہونے والا اردو ادب کا ایک معیاری رسالہ ہے۔ جو ایک دہائی قبل سے ادبی خدمات اور نشرو اشاعت میں لگا ہوا ہے۔ اب تک چالیس سے زائد شمارے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔

اس تحقیقی مضمون میں مذکورہ رسالے کے اداریے میں درج خیالات کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جارہا ہے۔ ساتھ ہی ادبی دنیا میں سہ ماہی عکس ادب اپنا کردار ادا کرتے ہوئے کس طرح تشنگانِ ادب کو سیراب کررہا ہے۔ اس پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

گذشتہ شمارے میں ''عکس ادب'' کے ایک تا ۱۰/ شماروں کا سرسری جائزہ پیش کیا تھا جو کافی پسند کیا گیا۔ اس شمارے میں 11 سے 20 شماروں کا جائزہ حاضرِ خدمت ہے۔

☆''عکس ادب'' کے ۱۱ تا ۲۰ شماروں کا سرسری مطالعہ:

سہ ماہی عکسِ ادب کا ۱۱/واں شمارہ (اپریل تا جون ۲۰۱۵ء) کے اداریے میں مدیرِ اعلیٰ نے تعلیم اور اس کے معیار سے متعلق اور تعلیمی اداروں کے کام کاج نیز اساتذہ کے فرائض سے تہی دامنی پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ ساتھ ہی ادب پر اس کے بُرے اثرات پر فکر جتائی ہے علاوہ ازیں سرپرستوں اور طلبہ کی تعلیم سے متعلق عدم دلچسپی اور حصولِ تعلیم میں ٹی وی انٹرنیٹ کے سبب ہونے والی رکاوٹوں سے تعلیمی معیار کے مسلسل گرنے پر افسوس اور دکھ کا اظہار کیا ہے۔ سرپرستوں سے درخواست کی گئی ہے کہ اپنے لوگوں میں ادبی ماحول بنائیں۔ اردو کی ادبی کتابوں اور رسالوں کو گھروں میں پڑھنے کا ماحول بنائیں تاکہ مستقبل میں ایسی نسل ہماری قوم کو ملے جس کی تمنّا کبھی علاّمہ اقبالؔ نے کی تھی۔

☆سہ ماہی عکسِ ادب کا ۱۲/واں شمارہ (جولائی تا ستمبر ۲۰۱۵ء) کا ہے۔ اس میں مالیگاؤں شہر کے مشہور و معروف شاعر ارشد مینا نگری سے متعلق تخلیقات اور مضامین شامل ہیں۔ اس رسالے کے اداریے میں مدیرِ اعلیٰ نے ریاستوں کی اردو اکادمیوں میں جاری دھاندلیوں کا ذکر کیا ہے۔ خصوصاً مہاراشٹر اردو اکادمی میں غیر معقول سیاسی اثر و رسوخ کے نمائندہ افراد کی شمولیت، سے قابل و حقدار شعراء و ادباء کے شمولیت سے محروم ہونے سے اردو زبان و ادب کو جو فروغ ہونا چاہیے وہ نہیں ہونے پا رہا ہے۔ حکومت کی سرپرستی اور توسّط سے ہونے والے اشاعتی کام اور دیگر ادبی سرگرمیاں ٹھیک ڈھنگ سے نہ ہونے سے زبان متاثر ہورہی ہے۔

☆سہ ماہی عکسِ ادب کا ۱۳/واں شمارہ (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۵ء) کا ہے۔ اس کے سرورق پر بی ایس جین جوہرؔ صاحب کی تصویر ہے۔ ساتھ ہی اس میں موصوف کے کلام اور تخلیقات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس شمارے کے اداریے میں مدیرِ اعلیٰ نے طلبہ میں نقل نویسی کے رجحان اور اس کے نقصانات کے بارے میں لکھا ہے جس سے تعلیمی معیار مسلسل زوال پذیر ہورہا ہے۔

جب کوئی طالب علم نقل نویسی کے ذریعے امتحانات کامیاب کرکے عملی زندگی میں کسی پیشے سے منسلک ہوتا ہے تو اس میں مہارت نہ ہونے کی وجہ سے بڑے نقصانات ہوتے ہیں۔ اس کے بالمقابل جو طلبہ ابتدائی دور سے ہی محنت کرتے ہیں اور مقابلہ جاتی امتحانات پاس کرتے ہیں اپنے اپنے خاندان حتیٰ کے قوم و ملّت کا نام روشن کرتے ہیں۔ اگر والدین اور اساتذہ کی یونہی مشترکہ محنت رہی تو یقیناً طلباء و طالبات کے روپ میں ہمیں اچھے افراد میسّر آئیں گے اور اقبالؔ و سعدیؔ کی طرح علم و ادب میں ساری دنیا میں نام کمائیں گے۔

☆سہ ماہی عکسِ ادب کا ۱۴/واں شمارہ (جنوری تا مارچ ۲۰۱۶ء) کا ہے۔ اس کے سرورق پر مولانا ابوالکلام آزاد کی تصویر اور ان کا نایاب قول درج ہے۔ اس شمارے کے اداریے میں مدیرِ اعلیٰ نے تعلیمی اداروں پر نا اہل افراد کی اجارہ داری اور ذاتی ملکیت تصوّر کرنے کا شکوہ کیا ہے۔ عہدوں کی تقرری کے لیے لاکھوں روپے ڈونیشن لے کر امیر بننے کا فسانہ سنایا ہے اور افسوس جتایا ہے کہ نہ جانے یہ سلسلہ کب رکے گا یا یونہی رواں رہے گا۔

☆سہ ماہی عکسِ ادب کا ۱۵/واں شمارہ (اپریل تا جون ۲۰۱۶ء) کا ہے اس میں علیم صبا نویدی کی تصویر اور ان کی تخلیقات شامل ہیں۔ اس شمارے کے اداریے میں مدیرِ اعلیٰ رقمطراز ہیں کہ اردو کتابت کی وجہ سے خوش خط تحریروں کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔ لیکن

کمپیوٹر عام ہونے کی وجہ سے کاتب (خطّاط) بیروزگار ہوگئے ہیں طلبہ کی تحریروں میں غلطیاں بہت زیادہ نظر آرہی ہیں ۔ اگر اس جانب توجہ نہیں دی گئی تو اردو کی شیرینی اور کشش متاثر ہوگی اور زبان کا حسن ماند پڑ جائے گا۔ اس لئے ہم سب مل کر کوشش کریں اور اردو زبان کی نزاکت کو بچائیں۔

☆ سہ ماہی عکسِ ادب کا ۱۶ رواں شمارہ (جولائی تا ستمبر ۲۰۱۶ء) کا ہے، اس کے سرورق پر ڈاکٹر قاضی رضوانہ شمیم کی تصویر ہے، اس شمارے میں موصوف کی شخصیت اور ادبی کارناموں کی سراہنا کی گئی ہے۔ مدیرِ اعلیٰ اداریے میں تحریر فرما رہے ہیں کہ اپنے بچّوں کو مادری زبان میں ہی تعلیم دلوائیں۔ خصوصاً پرائمری و ہائی اسکول کی تعلیم وہ والدین جو اپنے بچّوں کو کسی اور زبان میں تعلیم دلاتے ہیں وہ اپنے بچّوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اردو مضمون کے ذریعے بھی اعلیٰ تعلیم کا حصول ممکن ہے۔ جیسا کہ مالیگاؤں اور کشمیر کے دو طلبہ نے یو پی ایس سی امتحان اردو زبان میں کامیاب ہو کر مثال قائم کی۔ مدیرِ اعلیٰ، طلبہ و سرپرستوں کو نصیحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ تعلیم کو نوکری کے حصول کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے بلکہ اچھا انسان بننے اور کاروبار روزگار کے لیے تعلیم حاصل کرنا چاہیے۔ ساتھ ہی دیگر زبانوں پر بھی عبور حاصل کرنا چاہیے تاکہ مستقبل تابناک بن سکے۔

☆ سہ ماہی عکسِ ادب کا ۱۷ رواں شمارہ (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۶ء) کا ہے۔ غلطی سے اس پر شمارہ نمبر ۱۵ ردرج ہوگیا ہے جبکہ یہ سترہواں شمارہ ہے۔ اس کے سرورق پر رؤف خوشتر صاحب کی تصویر ہے۔ اس میں موصوف کی تخلیقات اور ان پر لکھے گئے مضامین بھی شامل ہیں۔ اس شمارے کے اداریے میں مدیرِ اعلیٰ ڈاکٹر یوسف صابرؔ نے لائبریری کی افادیت و اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے عام قارئین اور نوجوانوں کو اس کے زیادہ سے زیادہ استعمال کی ترغیب دی ہے اور کہا کہ طلباء و طالبات کو موبائیل کے مُضر اثرات سے بچا کر اردو ادب کی کتابوں اور اخبارات سے جوڑنا ہوگا تاکہ ان کی شخصیت کی مکمل نشو و نما ہو سکے اور ان کا مستقبل روشن اور تابناک بن سکے۔

☆ سہ ماہی عکسِ ادب کا ۱۸ رواں شمارہ (جنوری تا مارچ ۲۰۱۷ء) کا ہے۔ اس کے سرورق پر مالیگاؤں کے مشہور ادارہ جے اے ٹی سینئر کالج کی سابق پرنسپل محترمہ منور ما کامبلے میڈم کا فوٹو اور ساتھ ہی موصوفہ کی تخلیقات اور ان پر مختلف قلمکاراں کے مضامین شامل ہیں۔ اس شمارے کے اداریے میں مدیرِ اعلیٰ نے اُن نا اہلوں کی جانب اشارہ کیا ہے جو لوگوں کی نظر میں اپنے آپ کو بڑے قابل اور ہونہار دکھاتے ہیں چاہے شاعر ہو، ادیب ہو، قلمکار، تخلیق کار یا صحافی ہو۔ یہاں تک کے پی ایچ ڈی کر کے ڈاکٹر کہلانے والے افراد بھی جو دوسروں سے مقالے لکھوا کر نوکریاں کر رہے ہیں اور لاکھوں روپئے تنخواہ اُٹھا رہے ہیں۔ اس شمارے کے اداریے میں مدیرِ اعلیٰ قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ کھرے اور اچّھے انسان کا ساتھ دیں ان کے قدم سے قدم ملا کر اردو ادب کے اچھے دن لانے کی سعی کریں۔ یہی صحیح معنوں میں اردو ادب سے محبّت کا ثبوت ہوگا۔

☆ سہ ماہی عکسِ ادب کا ۱۹ رواں شمارہ (اپریل تا جون ۲۰۱۷ء) کا ہے۔ اس رسالے کے سرورق پر کولکاتہ کے ڈاکٹر معصوم شرقی کی تصویر اور ان کا ایک شعر ۔

میرے بارے میں اگر جاننا چاہے دنیا
میرے اشعار ہیں خود میرا تعارف بھائی

درج ہے۔

اس شمارے کے اداریے میں ڈاکٹر یوسف صابرؔ علم عروض کے فن کے بارے میں رقمطراز ہیں۔ چونکہ آپ ایک اچھے انسان کی طرح ایک اچھے شاعر بھی ہیں۔ فنِ عروض سے واقفیت بھی رکھتے ہیں اس لیے ان کی خواہش ہے کہ ہر ادیب و شاعر اس فن کی باریکیوں کو سمجھے۔ خصوصاً اردو ریسرچ اسکالر کو جو دورانِ تحقیق اشعار کو کوڈ کرتے ہیں تو کوئی لفظ آگے پیچھے ہو جانے سے شعر بے وزن ہو جاتا ہے اس لیے اس فن کو سیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

نوٹ: اس شمارے میں راقم کا مضمون بعنوان ادیب مالیگانوی اور صنف نعت''صفحہ نمبر 53 پر شامل ہے۔

☆ سہ ماہی عکسِ ادب کا ۲۰ رواں شمارہ (جولائی تا ستمبر ۲۰۱۷ء) کا ہے۔

اس شمارے کے سرورق پر ڈاکٹر یوسف صابرؔ کی تصویر ہے اور ڈاکٹر یوسف صابرؔ کا یہ شعر درج ہے ۔

جو دوسروں پہ صرف کردے اپنی زندگی
دنیا میں وہی بوند بنے بوند سے موتی

اس شمارے میں ڈاکٹر یوسف صابرؔ کا خصوصی گوشہ شامل ہے۔ اس شمارے کا اداریہ اعزازی مدیر عارف خورشید نے تحریر کیا تھا۔ اس اداریہ میں عارف خورشید نے افسانچہ کی جامع تعریف تحریر کی ہے اور افسانچہ نگار صحیح معنوں میں کسے کہتے ہیں بتایا ہے۔ اس شمارے کے گوشے میں ڈاکٹر یوسف صابرؔ کا مختصر تعارف بقلم خود، علیم صبا نویدی، عارف خورشید اور سیدہ مہر کے ڈاکٹر یوسف صابرؔ کی حیات، فن اور شخصیت پر لکھے گئے مضامین اور ڈاکٹر یوسف صابرؔ کے تحریر کردہ مضامین، ابوالکلام آزاد بحیثیت منظر نگار (غبارِ خاطر کے حوالے سے) اور ناول 'ہوس' کا تنقیدی جائزہ اور ڈاکٹر یوسف عثمانی پر تحریر کردہ خاکہ اور غزلیں و افسانچے شامل ہیں اور دیگر شماروں کی طرح مختلف قلم کاروں کی ادبی کاوشیں شامل ہیں۔

☆☆☆

”عالمی یوم خواتین“ اور ہندوستان میں خواتین کی موجودہ حالت

یاسمین اسلام (کولکاتہ)
قومی صدر۔ ویمن انڈیا موومنٹ
فون : 011-46014569

عالمی یوم خواتین ہر سال ۸؍ مارچ کو منایا جاتا ہے۔ عالمی یوم خواتین ۲۰۲۴ء کی مہم کا موضوع شمولیت کی ترغیب InspireInclusion# ہے اور سب سے اہم تھیم ”خواتین میں سرمایہ کاری اور پیش رفت کو تیز کریں“ رکھی گئی ہے۔ یہ ایک جامع معاشرے کی تشکیل اور خواتین کو با اختیار بنانے میں سرمایہ کاری کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ یہ موضوع اقوام متحدہ کے ۶۸ ویں کمیشن آن دی سٹیٹس آف ویمن (CSW 68) کے ترجیحی موضوع کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ موضوع اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ترقی کے باوجود، خواتین کو معیشت میں مساوی شرکت کے حصول کے لیے اہم رکاوٹوں کا سامنا ہے اور خواتین اور لڑکیوں کو اپنی صلاحیتوں کو بڑھانے اور ان کی سیکھنے، کمانے اور قیادت کرنے کی صلاحیت کو مضبوط کرنے کے لیے مساوی مواقع کو یقینی بنانے پر زور دیا گیا ہے۔ صنفی برابری اور کام کی جگہ میں شمولیت بھی اس میں شامل ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں پوری تاریخ میں، بہت سی ایسی خواتین رہی ہیں جنہوں نے دنیا کو کافی حد تک متاثر کیا ہے۔ خواتین کے ووٹ کے حق کے لئے جدوجہد کرنے والی 'سفرا گیٹ' سے لے کر ریڈیو ایکٹیویٹی کی سائنس کی بنیاد رکھنے والی میری کیوری تک اور روزالینڈ فرینکلن جس نے ڈی این اے کی ساخت دریافت کی، ان سب خواتین نے سماجی، ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی پیش رفتوں کو مسلسل متاثر کیا ہے۔ ایک ایسی دنیا میں جو بدقسمتی سے اب بھی صنفی تعصب اور امتیازی سلوک سے دوچار ہے، ایسی کامیابیوں کو سراہنا پہلے سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔

دنیا بھر میں ہر سال ۸؍ مارچ کو عالمی یوم خواتین منایا جاتا ہے۔ مختلف خطوں میں یوم خواتین منانے کا مقصد خواتین کے تئیں تعریف، محبت اور احترام کے جشن سے لے کر خواتین کی سیاسی، سماجی اور معاشی کامیابیوں کو یاد کرنا ہے۔

یوم خواتین کے لیے اقوام متحدہ کے موضوعات امید بھرے انداز میں عالمی سطح پر خواتین کی جدوجہد کے بارے میں سماجی اور سیاسی بیداری کو وسیع کرنے پر زور دیتے ہیں۔ ایک صدی سے زیادہ کی تاریخ اور تبدیلی کے ساتھ، خواتین کا پہلا عالمی یوم خواتین (Internationl Womens Day) مارچ ۱۹۱۱ء میں منعقد ہوا۔ عالمی یوم خواتین کوئی ملک، گروپ یا مخصوص تنظیم نہیں ہے۔ یہ اجتماعی عالمی سرگرمی اور جشن کا دن ہے جس کا تعلق ان تمام لوگوں سے ہے جو خواتین کے مساوات کے لیے پرعزم ہیں۔

تنظیمی یا گروہی بنیادوں پر، خواتین اور لڑکیوں کی ضروریات، دلچسپیوں اور خواہشات کو قابل قدر اور شمولیت کو یقینی بنانے کے بہت سے طریقے ہیں۔ تنظیمیں اور گروپ ان شعبوں میں کارروائی کے ذریعے InspireInclusion# کر سکتے ہیں جیسے: خواتین کو معاشی طور پر با اختیار بنانا، خواتین کی بھرتی، ترقی اور ان کی صلاحیتوں کو فروغ دینا، قیادت، فیصلہ سازی، کاروبار اور STEM میں خواتین اور لڑکیوں کی مدد کرنا، ڈیزائننگ اور بنیادی ڈھانچے کی تعمیر میں خواتین اور لڑکیوں کی ضروریات کو پورا کرنا، خواتین اور لڑکیوں کو ان کی صحت کے بارے میں باخبر فیصلے کرنے میں مدد کرنا، خواتین اور لڑکیوں کو پائیدار زراعت اور خوراک کی حفاظت میں شامل کرنا، خواتین اور لڑکیوں کو معیاری تعلیم اور تربیت تک رسائی فراہم کرنا، کھیلوں میں خواتین اور لڑکیوں کی شرکت اور کامیابی کو بڑھانا، خواتین اور لڑکیوں کی تخلیقی صلاحیت اور فنکارانہ صلاحیتوں کو فروغ دینا، خواتین اور لڑکیوں کی ترقی کی حمایت کرنے والے مزید شعبوں پر کام کرنا وغیرہ۔

ہمارے ملک ہندوستان میں انسانی وسائل کی فراوانی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جو عورت ان وسائل کا نصف ہے وہ کسی بھی جہت سے کمزور نہیں ہے۔ چاند اور مریخ پر پہنچنے والے راکٹ لانچوں پر خواتین سائنسدانوں کے ساتھ ساتھ دیہاڑی پر کام کرنے والی مزدور خواتین تک بھی ملک کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ خواتین کے ساتھ خاندان، سماج، کام کی جگہ، عوامی مقامات پر امتیازی سلوک کیا جا رہا ہے۔ خواتین کو اپنی جنس کی وجہ سے امتیازی سلوک، تشدد، جنسی ہراسانی، مذہبی ظلم و ستم، گھریلو تشدد کا سامنا ہے۔

سال ۲۰۲۰ء کی، بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق، تین میں سے ایک خاتون کو صنفی بنیاد پر تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ خواتین کو بالواسطہ طور پر معاشی بدحالی، مہنگائی اور بے روزگاری کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ سیاسی طور پر بھی خواتین کو امتیازی سلوک کا سامنا

کرنا پڑتا ہے،ٹکٹوں کی تقسیم سے لے کر پارلیمنٹ میں نشستیں حاصل کرنے تک اوراعلیٰ وزارت یاوزیراعظم کے عہدے حاصل کرنے میں بھی خواتین ناکام رہتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آج صرف پندرہ فیصد خواتین ہی پارلیمنٹ میں جاسکتی ہیں۔خواتین کیلئے ریزرویشن پارلیمنٹ میں منظور ہونے کے باوجود اس پر عمل درآمد کب ہوگا اس کی کوئی فکر یا گیارنٹی نہیں ہے۔اس کے علاوہ اس میں کوئی شک نہیں کہ انٹرنل ریزرویشن کے بغیر خواتین ریزرویشن ایکٹ غریبوں کے لیے ایک سراب ہی ثابت ہوگا۔

ہمارے ملک میں خواتین کی موجودہ صورتحال یہ ہے کہ جن پہلوانوں نے بین الاقوامی سطح پر ملک کا وقار بلند کیا وہ انصاف کے مطالبے کو لیکر مہینوں تک احتجاج کرتے رہے اور روتے رہے اور انہیں سڑکوں پر گھسیٹا گیا اور گرفتار کرلیا گیا۔ایوارڈ واپس کرنے کے احتجاج کے باوجود ملزم برج بھوشن کو رکن پارلیمنٹ کے عہدے سے برخاست نہیں کیا گیا۔بلقیس بانو کیس میں سپریم کورٹ نے مجرم کو عمر قید کی سزا سنائی۔عالمی سطح پر مخالفت ہونے کے باوجود ملک کی سرکاری کرسی پر بیٹھنے والوں کو کوئی شرمندگی محسوس نہیں ہوئی۔وسیع مخالفت، متاثرہ کی مسلسل محنت، سماجی کارکنوں کی جانب سے جسٹس بنچ میں درج شکایات کے بعد آخرکار مجرموں کا دوبارہ جیل جانا حیران کن تھا۔لیکن مجرم ایک دو ہفتوں میں طویل پیرول ملنے کے بعد جیل سے باہر ہیں۔آج تک وزیراعظم نے منی پور کا دورہ نہیں کیا جہاں خواتین کے برہنہ جلوس عالمی سرخیاں بنے۔میرا دل یہ سوچ کر جھنجھلاتا ہے کہ جب عالمی سطح پر خبریں پہنچنے کے باوجود انہیں انصاف نہیں ملا ہے تو ان کے نزدیک خواتین کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے۔اناؤ، ہاتھرس کے واقعات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اگر ملزم اعلیٰ ذات کا ہے اور متاثرہ نچلی ذات کا ہے تو متاثرہ کو زیادہ سخت حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔فرقہ وارانہ فاشسٹ سوچ رکھنے والے سیاست دان عصمت دری اور قتل کو جنگ کے ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں ملزمان کی حمایت کرتے ہیں اور خواتین کو مارتے پیٹتے ہیں۔یہ ہم نے کٹھوعہ میں بھی دیکھا ہے۔ایسے سیاستدانوں کی وجہ سے اوسطاً ہر 15 منٹ میں ایک عصمت دری رپورٹ ہوتی ہے۔داخلی امور کے وزیرمملکت اجے کمار مشرا نے راجیہ سبھا میں بتایا کہ ۲۰۲۱-۲۰۱۹ء میں 13.13 لاکھ خواتین لاپتہ ہوئی ہیں۔خواتین مخالف مقدمات میں فی گھنٹہ 51 ایف آئی آر درج کی جاتی ہیں۔خواتین کے خلاف جرائم میں عصمت دری اور قتل، جہیز ہراسانی، تیزاب پھینکنا، خودکشی پر اکسانا، اغوا، جبری شادی، انسانی اسمگلنگ، آن لائن ہراساں کرنا وغیرہ شامل ہیں۔نیشنل کرائم ریکارڈ بیورو کے مطابق سال ۲۰۲۲ء میں ہندوستان میں ہر روز اوسطاً تقریباً ۹۰ عصمت دری ہوتی ہیں۔اس سال عصمت دری کے 31,156 واقعات درج کئے گئے۔راجستھان، اترپردیش اور مدھیہ پردیش جیسی ریاستوں میں سب سے زیادہ عصمت دری کے واقعات درج کئے گئے۔آپ جانتے ہیں کہ خواتین جب شکایت لے کر پولیس اسٹیشن جاتی ہیں تو ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا جاتا ہے۔اس سے ڈر کر کئی خواتین رپورٹ ہی نہیں لکھواتی ہیں۔تعلیم میں سب سے ترقی یافتہ ریاست کیرالہ میں میڈیکل کی طالبہ کی جہیز کے لیے خودکشی کرنے کے واقعے کے بارے میں ہم سب جانتے ہیں۔یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے، یہ تمام ریاستوں میں بڑے پیمانے پر ہورہا ہے۔جعلی مذہبی رہنماؤں پر کوئی سخت قوانین لاگو نہیں ہوتے جو خواتین کے ذہنوں میں جہالت کے بیج بوتے ہیں اور ان کا جنسی اور مالی استحصال کرتے ہیں۔جب وہ جیلوں سے باہر آتے ہیں تو ان کا استقبال پھولوں کے ہار پہنا کر کیا جاتا ہے۔ہمارے ملک میں فرقہ پرستی، نسلی نفرت، تعصب، اقربا پروری، اجتماعی قتل، نفرت انگیز تقاریر وغیرہ سنگھ پریوار کی خواتین مخالف پیشکش ہیں۔کرپشن، نجی کاری، انصاف کی راہ میں رکاوٹ، فرضی انکاؤنٹرس، کالے قوانین، عوام دشمن پالیسیاں وغیرہ خواتین کے خلاف حکومتی سرپرستی میں ہونے والے مظالم ہیں۔سنگھ پریوار کی گرفت میں مین اسٹریم میڈیا خواتین کی خبریں ان کے نظریے کے مطابق نشر کرتا ہے۔میڈیا ووٹ حاصل کرنے کے لیے، اقتدار بچانے کے لیے مذہب اور ذات پات کی بنیاد پر خبریں تقسیم کرکے کسی بھی حد تک گرنے کو تیار ہے۔

خواتین قدیم زمانے سے ہندوستان کی ثقافت اور معاشرے کا ایک لازمی حصہ رہی ہیں۔تاہم، ہندوستان میں خواتین کی حیثیت کئی سالوں سے بحث اور تشویش کا موضوع رہی ہے۔حالیہ برسوں میں ہونے والی پیش رفت کے باوجود، ہندوستان میں خواتین کو آج بھی بہت سے چیلنجز درپیش ہیں۔حالیہ برسوں میں، خواتین کو بااختیار بنانے کی ہندوستان کی کوششوں میں مثبت پیش رفت ہوئی ہے۔حکومت نے کئی پروگراموں اور پالیسیوں کو نافذ کیا ہے جن کا مقصد خواتین کی صحت، تعلیم اور معاشی مواقع کو بہتر بنانا ہے۔افرادی قوت میں حصہ لینے والی خواتین کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا ہے اور خواتین نے سیاست، کاروبار اور تفریح سمیت مختلف شعبوں میں اعلیٰ مقام حاصل کیا ہے۔ان کامیابیوں کے باوجود، ہندوستان میں خواتین کو اب بھی چیلنجز کا سامنا ہے۔صنفی امتیاز، خواتین کے خلاف تشدد اور غیر مساوی تنخواہیں بڑے مسائل ہیں۔

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

ہندوستان کی آزادی وقومی یکجہتی میں شعراء کا کردار

میمونہ تحسین محمد اسمٰعیل (ناندیڑ)
ریسرچ اسکالر، ڈاکٹر باموا یونیورسٹی، اورنگ آباد۔ مہاراشٹر
موبائل : 8208135571

☆خلاصہ (Abstract)

انگریز قوم نے آدھی سے زیادہ دنیا کو اپنا غلام بنایا ہوا تھا، جس میں ہندوستان بھی شامل تھا۔

ہم ہندوستانیوں نے اپنی آزادی کے لئے انگریز حکومت کے خلاف جدوجہد کی اور اپنے ملک کو آزاد کرانے میں کامیاب ہوئے۔

ہندوستان کی آزادی میں شعراء نے ایک اہم اور مؤثر کردار ادا کیا جو ہندوستان کی تاریخ میں یادگار ہے۔

اس مضمون میں اسی بات کی یاددہانی کی گئی ہے۔

☆تعارف (Introduction)

1947ء میں ہندوستان نے مکمل آزادی حاصل کی۔ تقریباً ۹۰/سال مستقل کوششوں اور قربانیوں، صبر آزما لمحات کے بعد آزادی حاصل ہوئی۔

کئی شعراء نے ہندوستان کی آزادی میں حصہ لیا۔ آزادی کے لئے اردو زبان اور اردو شاعری نے اہم کردار ادا کیا .اردو شاعرانہ اظہار میں، خصوصاً جن شعراء نے عوام کو جذبہ حریت کی راہ میں مشغول کیا. ان میں کچھ اہم شعراء تلوک چند محرومؔ، محمد اقبال، فیض احمد فیضؔ، جوشؔ ملیح آبادی، مولانا اسمٰعیل میرٹھی، پنڈت برج نرائن چکبستؔ اور جگن ناتھ آزادؔ بھی شامل ہیں۔

شعراء کے کلام نے آزادی کے حصول میں ملک کے لوگوں میں وطنیت کا جذبہ پیدا کیا۔

☆ ہندوستان کی آزادی وقومی یکجہتی میں شعراء کا کردار :

۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی جسے انگریزوں نے بغاوت کا نام دیا تھا، کے بعد اگرچہ ہندوستانیوں کے حوصلے ضرور پست ہوئے لیکن ان میں حب الوطنی کا جذبہ بڑی شدت کے ساتھ پیدا ہوا۔ پنڈت برج نارائن چکبستؔ کی پیدائش ۱۸۸۲ء میں ہوئی۔ وہ ان فرزندان وطن میں سے تھے جن کے خون میں وطن کی محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن تھا، اس ناکام جدوجہد آزادی کے ۲۵/سال بعد ان کی ولادت ہوئی اور ۹/ برس کی عمر سے ہی انہوں نے شعر کہنا شروع کردیا تھا۔

اپنی شاعرانہ صلاحیت قومی اور حب الوطنی کے جذبات سے معمور نظم گوئی پر مرکوز کردی اور اس طرح اُردو شاعری پر اپنا ایک دائمی نقش ثبت کردیا۔ ان کے بارے میں اثر لکھنؤی نے لکھا ہے کہ چکبستؔ نے قومی شاعر ہونے کا فرض نبھایا ہے اور انہوں نے ہندوستان کے جذبات ونظریات کی بنا کسی مذہب کی طرفداری کئے، ترجمانی کی ہے۔

چکبست کا یہ شعر حقیقت میں ان کے حسب حال ہے۔ چکبست نے کئی قومی نظمیں تخلیق کیں ۔ اُن کے کئی اشعار دلوں میں آزادی وقومی یکجہتی کے جذبہ کو بیدار کرتے ہیں۔ جیسے ۔

قوم کا غم مول لے کر دل کا یہ عالم ہوا
یاد بھی آتی نہیں اپنی پریشانی مجھے

ہندوستانیوں کے حالات کو سنوارتے ہوئے چکبستؔ کی وفات 1926ء میں ہوئی۔

مولانا اسمٰعیل میرٹھی کی پیدائش 12 نومبر 1844ء کو میرٹھ میں ہوئی اور 1917ء میں انہوں نے وفات پائی۔ وہ مولانا آزاد سے متاثر تھے۔ انھیں نظم لکھنے میں مہارت حاصل تھی۔ اس کے علاوہ غزل، قصیدہ، رباعی، مثنوی، مرثیہ بھی لکھا ہے۔ سادگی اور بے تکلفی ان کی شاعری میں موجود ہے۔ قدیم اور جدید دونوں طرح کے رنگ ان کی شاعری میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔

مولانا اسماعیل میرٹھی کے عوامی نظریے کے متعلق سیفی پریمی لکھتے ہیں: ''عوام کے بارے میں مولانا کا جائزہ اور اظہار آج کے قاری کے لیے تعجب انگیز بھی ہوسکتا ہے اور اختلاف کا سبب بھی لیکن ایک چیز ذہن میں رکھنی چاہیے کہ آج ہندوستان میں عوام کا مفہوم اس سے قطعی مختلف ہے جو برطانوی سامراج کے ہندوستان میں سمجھا جاتا تھا۔ جمہوریت میں عوام کو اہم مقام حاصل ہے۔ برطانوی سامراج میں ''سر''، ''خان بہادر'' اور ''رائے بہادر'' عظمت کا نشان تھے اور عوام کو گری ہوئی نظروں سے دیکھا جاتا تھا چنانچہ مولانا کے یہاں بھی سب سے زیادہ مصائب عوام کے کردار میں نظر آتے ہیں۔''

(حیات اسماعیل: حیات وخدمات۔ ڈاکٹر سیفی پریمی، ص94)

انہوں نے ''رضائے جواہر'' 1880ء میں، ''کلیات اسماعیل'' 1910ء میں اور ''حیات کلیات اسماعیل'' 1939ء میں لکھی۔

مولانا دین دار و مذہبی انسان تھے اس لیے وہ انگریزی رہن سہن کو پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے اور پرانی قدروں کو اپنے دل سے لگائے ہوئے تھے۔

جوشؔ ملیح آبادی ایک معروف اور پسندیدہ شاعر تھے جنہوں نے اپنی شاعری میں قومی حالات اور آزادی کی جدوجہد کو بیان کیا۔ ان کی شاعری میں وطنیت، عظمت اور انصاف کے موضوعات بڑے خوبصورتی سے پیش کئے گئے۔ جوشؔ ملیح آبادی کی ''اے وطن پاک وطن روح رواں احرار'' اور ''کیوں ہند کا زنداں کانپ رہا ہے گونج رہی ہیں تکبیریں''، نظمیں بہت

مشہور ہیں۔ ان کے کلام کی بنا پر اُنہیں 1954 میں پدم بھوشن ایوارڈ سے نوازا گیا تھا۔
جوشؔ کی تاریخ پیدائش دسمبر 1898ء ہے۔ ان کی شاعری میں ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد کے علاوہ، غم، حسرت، اور محبت کی باتیں بھی شامل ہیں۔
جوشؔ ملیح آبادی کی شاعری نے وطنی جذبے کا پرچم بلند کیا اور آزادی کی جدوجہد کے دوران ہندوستان کے لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب لے آنے میں مدد کی۔ جوشؔ ملیح آبادی کی شاعری میں وطنیت، آزادی، انصاف، اور محبت کے موضوعات شامل ہیں۔ جوشؔ ملیح آبادی کی وفات 22 فروری 1982ء کو ہوئی ہے۔
علامہ اقبالؔ کو ''شاعر مشرق'' کہا جاتا ہے۔ انہوں نے اسلامی اصولوں اور معاشرتی عدلیہ کی بنیادوں پر مبنی شاعری کی ہے۔
علامہ اقبالؔ کے کئی شعر مشہور ہیں ان میں حب الوطنی اور قومی یکجہتی کے اشعار بھی شامل ہیں۔
علامہ اقبالؔ نے غلامی کی زندگی اور آزادی کی تڑپ کو ایک نظم بعنوان ''پرندے کی فریاد'' بیان کیا ہے۔ جن میں یہ اشعار بھی ہیں ۔

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ
وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چہچہانا
آزادیاں کہاں اب وہ اپنے گھونسلے کی
اپنی خوشی سے آنا اپنی خوشی سے جانا

اُن کا ایک قومی گیت بھی بہت مشہور ہے اس کا مکھڑا ہے ۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی وہ گلستاں ہمارا

اقبالؔ کی پیدائش ۹ر نومبر 1877ء میں سیالکوٹ پنجاب میں ہوئی۔ اقبالؔ کو شاعری کا شوق ابتدائی زمانے سے تھا وہ اپنی شاعری کی اصلاح داغ دہلوی سے لیتے تھے۔ انہوں نے " نالۂ یتیم" 1899ء میں ایک جلسے میں پڑھی جو بہت مقبول ہوئی۔ ان کی شاعری میں گل وبلبل اور عشق ومحبت کے اشعار ہمیں نہیں ملتے ہیں بلکہ حب الوطنی، قومی ہمدردی، ہمت و جوش، آرائش تہذیب، تعلیم، اخلاق، امید و ارتقاء، فلسفہ وتصوف یہ تمام سے متعلق اشعار ملتے ہیں۔
فیض احمد فیضؔ ایک معروف اردو شاعر تھے۔ ان کی پیدائش 13ر فروری 1911ء کو ہوئی، انہوں نے آزادی اور انصاف کے لئے بہترین اشعار تخلیق کئے۔ جیسے ۔

ہم دیکھیں گے

لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے
وہ دن کہ جس کا وعدہ ہے
جو لوح ازل میں لکھا ہے

فیض نے یہ نظم ۱۹۷۹ میں کہی تھی۔ فیض کہتے ہیں کہ لوح ازل میں یعنی قرآن مجید میں لکھا ہے کہ ایک دن وہ آئے گا جب سب کا حساب کتاب ہوگا اور جب ظالموں کا ظلم ختم ہو جائے گا۔ دراصل اس نظم کا اصل عنوان ہے ''ویبقیٰ وجہ ربک'' یہ سورہ رحمان کی آخری آیت کا ٹکڑا ہے جس کا مفہوم ہے کہ صرف اللہ کی ہی ذات باقی رہے گی۔ لیکن اب یہ نظم ''ہم دیکھیں گے'' کے عنوان سے پوری دنیا میں مشہور ہو چکی ہے۔ چونکہ فیض ایک کمیونسٹ شاعر تھے۔ اس لیے اس نظم میں انھوں نے اپنے کمیونسٹ نظریات بھی داخل کیے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب ظالم حکمرانوں کے تاج اچھال دیئے جائیں گے اور ان کے تخت گرا دیئے جائیں گے تو اس کے بعد اقتدار عوام کے ہاتھ میں آئے گا جو صدیوں سے دبے کچلے اور محرومی کے شکار رہے ہیں۔
فیض کی نظموں میں شاعری کے فن اور اصولوں کو دیکھا جاسکتا ہے۔ پروفیسر عقیل رضوی کے مطابق :
''فیض کے یہاں تقریباً ہر جگہ انسانی زندگی کی کلیت کی تلاش ہے جنہیں وہ اپنی شاعری میں عام کرنا چاہتے ہیں اور یہ کلیت مادی صورتوں سے خیال کی منطقوں میں داخل ہوتی ہے۔ جنہیں تاریخ کے موڑ مزید تاثر دیتے رہتے ہیں۔ فیض کا فکری سفر عام انسانی زندگی کے مسائل اور مصائب کا سفر، برابر دھار دار بناتی رہتی ہے۔'' (ادیب وادب، ڈاکٹر رفیع اللہ، بحوالہ مضمون، صفحہ 332 مرتب۔ فیض صاحب کا نظریہ شاعری اور اس کی تطبیق۔ ڈاکٹر سید محمد عقیل)
فیضؔ کے ایک شعر میں آزادی کے متعلق اِس شعر میں عمدہ بیان ملتا ہے ۔

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر
انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں

فیض احمد فیضؔ کے اس شعر میں بھی بہت کچھ بیان کیا گیا ہے۔ تکلیفوں اور طویل انتظار کے بعد جب سحر ہوئی تو یہ وہ سحر نہیں تھی جس کا ہم سب کو انتظار تھا۔
فیض احمد فیضؔ کی شاعری میں محبت، وطن پرستی اور آزادی کے لئے جدوجہد کا خوبصورت اظہار ملتا ہے۔
20 فروری 1982ء کو فیض احمد فیض اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔
متعدد شعراء نے اپنی شاعری کے ذریعے عوام کو اُن کے حقوق اور آزادی کی قدر کرنے اور بہتر مستقبل کے لئے جدوجہد کرنے کی رہنمائی کی ہے۔ اُنہوں نے مختلف طبقات میں یکجہتی پیدا کرنے کے لئے اپنی آواز بلند کی۔

☆☆☆

مناسب دام میں کتاب شائع کرنے کے لئے
رابطہ قائم کریں۔
عکس ادب پبلی کیشنز
ڈاکٹر یوسف صابرؔ
9326772575
سویرا پارک، عقب ابراہیم مسجد، ہرسول
اورنگ آباد

ترنم ریاض کا افسانہ ''کشتی'' کا تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر محمد امان اللہ
(اسسٹنٹ پروفیسر)
یونیورسٹی ڈپارٹمنٹ آف اردو
بی۔آر۔اے بہار یونیورسٹی
مظفر پور(بہار)
موبائل : 9899352852

خلاصہ (Abstract)

خواتین افسانہ نگاروں میں ترنم ریاض کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے۔ وہ دو دہائی سے افسانے لکھنے میں محوِ قلم ہیں۔ ادبی میدان میں ان کی انفرادیت یہ رہی کہ کم وقفے میں وہ اپنے قلمی جوہر کا لوہا منوا لینے میں کامیاب رہیں۔ اس مضمون میں ترنم ریاض کا افسانہ ''کشتی'' کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

☆تعارف (Introduction)

ترنم ریاض کے چار افسانوی مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ (۱) یہ تنگ زمین (۱۹۹۸ء)، (۲) ابابیلیں لوٹ آئیں گی (۲۰۰۰ء) (۳) یمبرزل (۲۰۰۴ء) اور (۴) میرا رخت سفر (۲۰۰۸ء)۔ ترنم ریاض کا تعلق کشمیر سے ہے۔ انھوں نے کشمیر کے جن مسائل کو دیکھا ان سے اپنے قارئین کو روبرو کرانے کے لئے کئی ایسے افسانے لکھے جن کا پس منظر وادیٔ کشمیر ہے۔ اس حقیقت سے ہم واقف ہیں کہ کوئی بھی فنکار اور ادیب ایسا نہیں جو اپنی سرزمین سے نظریں ہٹا کر اپنا تخلیقی کام انجام دے۔ اماں، یمبرزل، مٹی، ایک پہلو یہ بھی ہے تصویر کا، برق گرنے والی ہے اور کشتی اس کی عمدہ مثال ہے۔

☆افسانہ ''کشتی'' کا تجزیاتی مطالعہ :

افسانہ ''کشتی'' کی کہانی شہر کشمیر کے ایک چوراہے پر بنی گئی ہے۔ جہاں کچھ علاقے میں کرفیو لگا ہوا ہے لیکن کچھ ایسے علاقے ہیں جہاں کرفیو نہ ہوتے ہوئے بھی کرفیو سا ماحول بنا ہوا ہے۔ کہانی کا آغاز ٹیلی فون بوتھ سے ہوتا ہے جہاں فون کرنے کے لئے ڈیوٹی پر لگا ہوا ایک نوجوان آتا ہے جو نہایت ہی اخلاق مند ہے۔ اس کے علاوہ وہ ہمدرد بھی ہے۔ نوجوان کے اس شخصی اوصاف کو دیکھ کر چوراہے پر موجود ٹیلی فون بوتھ پر لائن لگائے تمام افراد حیرت زدہ ہو جاتے ہیں۔ اس ٹیلی فون بوتھ پر ایک عورت بھی فون کرنے کے لئے آتی ہے جس کا شوہر دریا کے پار چائے اور انڈے بیچنے کا کاروبار کرتا ہے۔ شہر کے ناسازگار حالات سے وہ اپنے شوہر کو باخبر کرنا چاہتی ہے۔ وہ عورت اتنی خوفزدہ ہے کہ وہ اپنے ہی گھر میں اپنے بچوں کو تالا بند کر کے آتی ہے اور تالے کی چابی بھی اپنے جیب میں محفوظ کر لیتی ہے۔ ہر تھوڑی دیر پر وہ چابیوں کو ٹٹولتی رہتی ہے۔ اس بیچ ٹیلی فون بوتھ کے قریب کچھ لوگ آٹھ نو سال کے ایک بچے کو لے کر آتے ہیں جس کی ٹانگ بم دھماکے سے زخمی ہو چکی ہے۔ عورت اس بچے کے قریب آتی ہے اور اپنا دوپٹہ پھاڑ کر اس کے زخم پر پٹی باندھ دیتی ہے۔ وہ نیک نوجوان بھی اس کی مدد کرنے لگتا ہے۔ نوجوان جو دوسری سرزمین سے تعلق رکھتا ہے، اس کی نیک حرکت پر عورت خوش ہوتی ہے اور سوچتی ہے کہ اپنی قوم کے سپاہی سے اچھا تو یہ نوجوان سپاہی ہے جس کا تعلق اس وادی سے نہیں ہے۔ وہ اپنی مٹی سے جڑے ہوئے سپاہی کے ظلم کو یاد کرنے لگتی ہے جس نے اپنے ہاتھ سے پکڑا ہوا کین لہسن بیچ رہے ایک ضعیف شخص کی ڈھبری پر دے مارا تھا اور اسے خوب گالیاں سنائی تھیں بلکہ اس کی کمائی کے دس روپئے کا اکلوتا نوٹ اور پانچ کے تمام سکے بھی چھین لئے تھے۔ اس بوڑھے شخص کا پوتا جو اس کے ساتھ تھا، اپنے دادا کے تمباکو کے لئے باریش سپاہی سے کچھ پیسے واپس کرنے کی منت سماجت کرتا رہا لیکن بدلے میں اسے صرف گالیاں سننے کو ملی تھیں۔ یہ عورت اس باریش سپاہی اور نوجوان کے درمیانی فرق پر کچھ دیر سوچتی رہتی ہے۔ اسی درمیان نوجوان ٹیلی فون پر باتیں کرنے لگتا ہے اور کافی خوش نظر آتا ہے۔ اس کی خوشی کو دیکھ کر یہ عورت بھی اپنی جوانی کے زمانے کو یاد کرنے لگتی ہے۔ اس کی ماضی

کی کہانی میں خوشیوں سے زیادہ درد و غم تھے۔ اس عورت کا نام دلشابانو تھا جسے گھر والے پیار سے دلو کہتے تھے۔ اس کا باپ مجید بٹ پیشے سے مچھوارا تھا جس کا بیٹا مشتاق تھا جس سے ملنے کے لئے رشید ڈار کا منجھلا بیٹا جو تقریباً دو ماہ قبل اچانک غائب ہو گیا تھا۔ ہفتہ بھر پہلے دہشت گردی کی ٹریننگ لے کر گھر واپس آیا تھا جو مشتاق سے کہتا ہے کہ وہ بھی کیمپ میں ٹریننگ لیا کرے۔ جس پر دونوں دوست میں بحث و تکرار بھی ہوتی تھی۔ کیونکہ مشتاق دہشت گرد بننا نہیں چاہتا تھا۔ ایک دن دلو گھر میں اکیلی تھی۔ باپ مجید بٹ اور بھائی مشتاق کشتی پر سوار ہو کر دور نکل گئے تھے۔ اسی دن رشید ڈار کا منجھلا بیٹا مشتاق کے گھر آتا ہے اور دلو کی آبرو لوٹ لیتا ہے۔ جب شام میں دونوں گھر واپس آتے ہیں تو دلو کو بے ہوش پاتے ہیں۔ جب دلو ہوش میں آتی ہے تو اس پر ایک اور ظلم ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ جس لڑکے سے محبت کرتی تھی وہ سینٹرل اسکول کا استاد تھا جس کا قتل ہو جاتا ہے۔ یہ خبر سن کر وہ دوبارہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔ ان تمام حادثات کو دیکھ کر دلو کا بھائی مشتاق کافی غمزدہ ہو جاتا ہے اور وہ رشید ڈار کے منجھلے بیٹے کا قتل کر دیتا ہے اور قتل کرنے کے بعد وہ گھر سے باہر رہنے لگتا ہے۔ وہ ایک دہشت گرد بننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ رشید ڈار بیٹے کے قتل کے بعد کافی غمزدہ رہتا ہے۔ وہ اپنے بڑے بیٹے جو پولیو زدہ ہے اور عمر بھی کافی ہو چکی ہے اس کی شادی کے لئے مجید بٹ سے دلو کا ہاتھ مانگتا ہے۔ اس پر مجید بٹ بھی دلو کی شادی کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور اس رشتے کو قبول کر لیتا ہے۔ دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔ اپنے ماضی کی یادوں میں کھوئی ہوئی یہ عورت جب واپس آتی ہے تو دیکھتی ہے وہ نوجوان فون

پرانی باتیں ختم کرنے کے بعد بہت خوش نظر آتا ہے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ خوشی خوشی دوسری سمت جانے لگتا ہے۔ تبھی سامنے سے سرکاری جھنڈے لگی تین موٹر سائیکل گاڑیاں گزرتی ہیں جن کے آگے پیچھے حفاظتی عملے کی دو بڑی گاڑیاں اور ایک ایمبولنس بھی تھی۔ پہلی گاڑی جیسے ہی گزرتی ہے ایک زوردار دھماکہ ہوتا ہے۔ گاڑی جل جاتی ہے۔ حفاظتی عملے گولیاں چلانے لگتے ہیں۔ عورت یہ منظر دیکھ کر ٹیلی فون بوتھ کی دکان میں بند ہوجاتی ہے۔ دکاندار اس کی حفاظت کے لئے شٹر بند کردیتا ہے۔ جب ماحول سازگار ہوتا ہے تب دکاندار شٹر کھول دیتا ہے اور عورت تیز تیز گھر کی طرف روانہ ہوجاتی ہے۔ راہ چلتے ہوئے وہ اس جگہ سے گزرتی ہے جہاں بم دھماکہ ہوا تھا۔ اس کی نظر ایک سیاہ رنگ کے ادھ جلے فوجی جوتے اور ایک والٹ سے جھانکتی ہوئی لڑکی کی تصویر پر پڑتی ہے۔ یہ وہی تصویر تھی جسے اس نے ٹیلی فون بوتھ پر نوجوان کے بٹوے میں دیکھا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ کافی غمزدہ ہوجاتی ہے۔ وہ گھر کی طرف تیز قدموں سے جانے لگتی ہے۔ سامنے سے اس کا شوہر لنگڑاتا ہوا آتا ہے۔

☆ **ماحصل** : اس افسانے میں تین چار کہانیاں جنم لیتی ہیں۔ ایک کہانی زخمی بچے کی ہے۔ دوسری کہانی ہاتھ گاڑی پر لہسن بیچنے والے ضعیف آدمی کی ہے۔ تیسری کہانی نوجوان کی ہے۔ چوتھی کہانی دلوکی ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ان تمام کہانیوں کے ذریعہ ترنم ریاض نے کشمیر کی حقیقی تصویر پیش کی ہے۔ وہاں کی سڑکوں اور گھر کے اندر ہونے والے تمام حادثات و سانحات کو سامنے لانے میں افسانہ نگار کامیاب نظر آتی ہے۔ ان کہانیوں کے ذریعہ ترنم ریاض نے اس پہلو کو بھی سامنے لایا ہے کہ حالات کسی نوجوان کو کس طرح دہشت گرد بننے پر مجبور کرتے ہیں۔ ضعیف آدمی کے ذریعہ کشمیر کی غربت اور وہاں کے فوجیوں کے ظالمانہ سلوک کو سامنے لایا گیا ہے۔ جس کا جائزہ اس اقتباس سے لے سکتے ہیں :

''عورت جب تک دودھ والے کی دکان پر رہی تھی، اس نے یہی دیکھا کہ بوڑھا شخص زمین پر بیٹھا اپنے ہاتھوں پر سے سپاہی کے جوتوں سے لگ جانے والی مٹی جھاڑ رہا تھا۔ جب وہ المونیم کی چھوٹی سی ڈولچی میں ایک پاؤ دودھ لے کر پلٹی تو کوئی مری مری سی آواز میں جیسے رو رہا تھا۔''

(جدید خواتین افسانہ نگار: نظریہ اور تجزیہ۔ صالحہ زریں۔ ص ۱۰۹)

مختصر یہ کہ ترنم ریاض نے اس افسانے میں کشمیر کی موجودہ صورتحال بیان کی ہے۔ افسانہ نگار نے کشمیر کی وادی کے حسن کے بیان کے ساتھ ہی وہاں کے نامساعد حالات اور لوگوں کے خوف اور دہشت کو بڑے ہی کامیاب ڈھنگ سے افسانے کا حصہ بنایا ہے۔ پورے افسانہ میں محترمہ نے اپنے بھرپور مشاہدے کا ثبوت فراہم کیا ہے جس سے ہم انکار نہیں کرسکتے۔ جہاں تک پلاٹ کی بات ہے تو ترنم ریاض نے افسانے میں تمام پہلوؤں کو اس طرح پیش کیا ہے کہ کہانی کا تاثر اول تا آخر قائم رہتا ہے اور پلاٹ بھی پیچیدہ اور گنجلک محسوس نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ پلاٹ کی مدد سے کشمیر کی موجودہ صورتحال کی تصویر بیان کی گئی ہے۔ کردار نگاری کے اعتبار سے بھی یہ افسانہ بہترین کہا جائے گا۔ تمام کردار کہانی کو آگے بڑھانے میں معاون ہیں۔ افسانہ نگار نے صرف نیکی کا پتلا بنا کر تمام کرداروں کو پیش نہیں کیا ہے بلکہ تمام کرداروں کے فعل و عمل میں تضادات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ جس کے تحت ہم بہ آسانی خیر اور شر کے درمیانی فرق کو محسوس کرسکتے ہیں۔ ضعیف لہسن بیچنے والے کے ذریعے کشمیر کی خوبصورتی بیان کی گئی ہے۔ اس کے پولیو زدہ شوہر کے ذریعہ ہمارے معاشرے کو مشابہت دی گئی ہے۔ ماسٹر جی کے کردار کے ذریعہ بہتر معاشرے کی پیشین گوئی کی گئی ہے لیکن ماسٹر جی کا قتل ہوجاتا ہے اور وہ اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ دہشت گردوں کے آگے اچھائی اور برائی میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ بندوق بردار نوجوان کے ذریعہ کشمیر کے خوش آئند مستقبل کی امید کی گئی ہے لیکن اس کردار کی بھی بم دھماکہ میں موت ہوجاتی ہے۔ مختصر یہ کہ ترنم ریاض یہ بتانا چاہتی ہیں کہ جب تک بہتر عمل اور خیر کے ساتھ زندگی جینے کی کوشش نہیں ہوگی اور اچھائی کا ساتھ نہیں دیا جائے گا تب تک کشمیر کا مستقبل تابناک نہیں ہوسکتا۔ اس کے لئے باعزم ہوکر بہتر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلوب بہت ہی سادہ ہے۔ کہیں کہیں اظہار و بیان میں تصنع بھی نظر آتا ہے۔ الفاظ کے استعمال میں انھیں مہارت حاصل ہے۔ ترنم ریاض ایسے الفاظ استعمال کرتی ہیں جن سے کشمیر کی تہذیب و ثقافت کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ مثلاً چابیوں کا گچھا، پھرن، کانگڑی، مٹی کے پیالے، بید، چغہ نما پیرہن، نیم تنگ پائچوں والی چھینٹ کی شلوار، پہاڑی کے ٹیلے، برف کے تودے، پتھر، بادل، ہاتھ گاڑی، کسابہ، جھومر، بالی وغیرہ۔ ترنم ریاض اس افسانہ کے ذریعہ کشمیر کی صورتحال کو پیش کرنے میں کامیاب نظر آتی ہیں۔ اس طرح ہم ان کے افسانے کو پڑھ کر حقیقی صورتحال سے آشنائی حاصل کرتے ہیں۔ ابھی محترمہ افسانوں کی تخلیق میں موقلم ہیں۔ امید ہے کہ وہ اسی طرح نئے موضوعات تلاش کر کے اپنی کہانی کی بنیاد رکھیں گی اور قارئین اسی طرح ان کے نت نئے تجربے سے سماج کی حقیقی صورتحال سے آشنائی حاصل کریں گے۔

بقول صغیر افراہیم : ''ترنم ریاض کو مصوری، سنگ تراشی اور موسیقی سے رغبت ہے۔ چرند و پرند، حیوانات و نباتات سے انسیت ہے۔ فن میں ڈوب کر کچھ پالینے کی جستجو ہے۔ ان کا یہ جمالیاتی احساس ان کے فکشن میں بہت شدت سے محسوس ہوتا ہے۔ ترنم ریاض اپنے موضوعات عام زندگی سے چنتی ہیں۔ ان کے ہاں علامتیں ان کی فکری زمین سے پھوٹتی ہیں۔ وہ کہانی کی بنت میں فضا اور ماحول سے بھی علامتیں یا اشارے اکٹھا کرتی ہیں۔'' (ترنم ریاض کا فکشن۔ صغیر افراہیم۔ ص ۵۱)

ترنم ریاض کا شمار ہندوستان کی نمائندہ خواتین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔

☆☆☆

علیم صبا نویدی کی نعت گوئی کی خصوصیات

پروفیسر علیم اللہ حالیؔ

یہ طئے ہے کہ ادبی تخلیق کی توانائی جذبوں کی مرہون منت ہے تو اس کے ساتھ ساتھ ہم اس نتیجے تک پہنچے ہیں کہ جذبے کی لطافت تخلیق کو بھی لطیف تر بنا دیتی ہے۔ چونکہ شاعری اور خاص طور پر نعت شریف میں فنکار کا جذبہ سماوی اور ارضی تقاضوں سے پرے ہوتا ہے اور عبودیت اور محبت اپنے شدید تر اثرات کے ساتھ نمایاں ہوتی ہے۔ اس سے اس نوع کی شاعری لطیف تر ہونا بالکل منطقی بات ہے۔

علیم صبا نویدی صاحب نے متعدد اصناف سخن میں کامیاب تخلیقی نمونے پیش کئے ہیں۔ ہر جگہ ان کی انفرادیت قاری کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ الفاظ کے نو بہ نو استعمال اور مضبوط بلکہ پُرشور جذبوں کے اظہار کے لئے تھما تھما لہجہ نویدی کے آرٹ کی پہچان ہے۔ علیم صبا نویدی نے متعدد تخلیقات میں اپنی غیر معمولی قوت بیان کا اظہار کیا ہے۔ ان کے موضوعات الفاظ کے غیر رسمی اور غیر روایتی استعمال سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان سب خصوصیات نے مل کر نویدی کے آرٹ میں ایک خاص ندرت وجدت پیدا کردی ہے۔

نویدی کی تخلیقی جودت جب نعت گوئی کے میدان میں آتی ہے تو یہاں بھی اپنی انفرادیت منوالیتی ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری میں والہانہ کیفیت ہے۔ جذب کی فضا کے باوجود صبا نویدی کی زبان سے کوئی ایسی بات نہیں نکلتی جس سے افراط وتفریط کا گمان ہو۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی شانِ مبارکہ میں جذبۂ بے پناہ کا کیا قرینہ ہونا چاہئے۔ وہ کیفیات قلبی کے اظہار میں ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ نعت گوئی ایک نہایت نازک مرحلہ ہے۔ یہ تلوار کی دھار پر چلنے کا کام ہے۔ ایک ذرا لغزش نعت گو شاعر کو نہایت پست بنا سکتی ہے۔ شاعری میں براہ راست محبت کا اظہار یوں بھی ایک نازک مسئلہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی شان طیبہ سے بے پناہ عقیدت رکھنے والے شخص کے لئے یہ منزل بڑی سخت ہوتی ہے۔ علیم صبا نویدی اس منزلِ دشوار سے کامیاب و کامران گذرے ہیں۔ اگرچہ اظہارِ محبت میں وہ ہوش سے زیادہ جوش کے استعمال پر زور دیتے ہیں لیکن درحقیقت ان کے یہاں اگر جوش ہے تو اُس میں سرمستی اور سرمدیت، جاں سپاری اور جاں گدازی، ارتکاز اور انہماک ہے۔ اگر ہوش ہے تو یہ کہ کوئی دوسرا شخص ممدوح سے آگے نہ بڑھ سکے۔ محبت میں کس موقع پر کون سے جذبے کا اظہار کیا جائے، اس کے لئے بھی ایک سلیقہ درکار ہے۔ نویدی کے یہاں ہوش اور سلیقہ انہی معنوں میں پایا جاتا ہے اور اس لئے ان کی نعتیہ شاعری روایتی نعت گوئی سے مختلف اور ممتاز ہے۔

علیم صبا نویدی کے لہجے کی تازگی اور جدت بیان ان کی نعتیہ شاعری میں اسی آن بان کے ساتھ موجود ہے جو ان کے تخلیقی تشخص کی پہچان ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار سے اس حقیقت کا ثبوت ملتا ہے۔

خوشا نصیب نور محمدی ﷺ کے طفیل
مرے وجود کا ویراں کھنڈر ہوا روشن

چومنے پانو شاہ یثرب کے
چاندنی کا جلوس اُترا ہے

پھول پتوں کو تلاوت کی مہک دے کے صبا
جو کرے ذکر محمد ﷺ وہ شجر افضل ہے

جسم و جاں میں خوشبوئیں یہ کس کی ہیں
ہر نفس یہ کس کا پھیرا دل میں ہے

خشک بادل کو میسر کب ہوا
مصطفائی نوری برگد کا طواف

یہاں ان اشعار میں آپ کو نویدی کا وہ اندازِ سخن ملے گا جو جانا پہچانا ہے اور جس سے ان کے فن کا اختصاص متعین ہوتا ہے۔

علیم صبا نویدی کی طبع رواں پتھر کو بھی پانی کردیتی ہے۔ وہ مشکل زمینوں اور دشوار قوافی و ردیف نیز جدید تر ترکیبوں اور فقروں کو بھی اس طرح رام کرلیتے ہیں کہ ان سے اپنا مافی الضمیر بظاہر بڑی آسانی سے ادا کردیتے ہیں۔ ان کی اس قدرت کا اظہار ان کی نعتیہ شاعری میں کچھ زیادہ نمایاں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں جذبے کی بے ساختگی اور محویت الفاظ و بیان کے وسیلے سے بغاوت کر کے از خود سرحد اظہار میں آنے کے لئے بے تاب رہتی ہے۔ مستی و سرشاری کی راہ میں حائل نہیں ہوتی اور سچ تو یہ ہے کہ اس جذبۂ بے اختیار شوق کے درمیان جو الفاظ وتراکیب آتے ہیں وہ بھی اسی جذبے میں ڈوب جاتے ہیں اور تب شاعر کا یہ محسوس کرنا فطری بات ہے کہ۔

سرورِ کون و مکان جب سے ہے سایہ افگن
محو گفتار ہے احساس کی خاموش زباں

علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری میں اظہار کی وہی نرمی، لطافت وطمانیت و بشاشت ہے جو احساس کی زبان خاموش کے محوگفتار ہونے سے پیدا ہوسکتی ہے۔ شاعر کو بار بار یہ احساس ہے کہ ذکر محبوب نے اُسے اظہار و بیان کی توانائی بخش دی ہے۔ اُسے لگتا ہے کہ اس کے فیض سے گویا گنگ زبان یکا یک افشائی گفتار کرنے لگی ہو۔ ایک جگہ نویدی کہتے ہیں۔

سکوتِ بیکراں کی گرد میں لپٹا رہا برسوں
درودِ مصطفےٰ ﷺ کی روشنی میں آج مہکا دل

ایک اور جگہ کہتے ہیں۔

کرے ہے سانس جب ذکر محمد ﷺ
مٹے ہیں نقش ہائے بے زبانی

علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری میں ایک مخصوص ترنگ ہے۔ لہجہ میں اعتماد ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ موضوع سے ان کا روحانی رشتہ ہے اور یہ رشتہ اٹوٹ ہے۔ ان کے کلام کا مخصوص اور منفرد رنگ اردو میں نعتیہ شاعری کی ایک نئی آہٹ ہے۔ ہمیں آواز کا استقبال کرنا چاہئے کہ یہ دل کی آواز ہے جو اپنی سچائی کا اعلان نامہ ہے۔

☆☆☆

شاعری

غزلیں

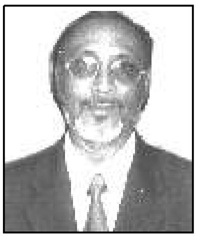

علیم صبانویدی

تم تو غارت گر نصیب ہوئے
چاہتوں میں بڑے عجیب ہوئے
یہ زمیں کچھ نہیں تمھارے لئے
ساری دنیا کے تم حبیب ہوئے
ہم کو دنیا پسند کرتی ہے
ہم نئے ڈھنگ کے ادیب ہوئے
زخم دے کر مکرنے والے آپ
آپ کب زخم کے قریب ہوئے
مصطفائی نظر ہے ہم پہ جہاں
ہم تو اس شہر کے غریب ہوئے

☆☆☆

کلیم کسک (پربھنی)

موبائل : 9890959642

وہ اُس کی حفاظت کے انداز نرالے ہیں
انڈے ہیں کبوتر کے مکڑی کے بھی جالے ہیں
تو فیل کے لشکر پر اتنا نہ اکڑ ظالم
وہ چونچ میں چڑیوں نے کنکر بھی سنبھالے ہیں
تعداد کو خاطر میں کب ہم نے بھلا لایا
ہم تین سو تیرا سے جنگ جیتنے والے ہیں
گر جائیں گے سب آکر سر پر ترے وہ آخر
وہ سوئے فلک تو نے پتھر جو اچھالے ہیں
مالک ائے مرے مالک بس تو ہی کرم فرما
تجھ سے ہی کسکؔ ہم تو بس مانگنے والے ہیں

ریشما طلعت شبنم کولاری

موبائل : 9620413772

جو اپنے نام وشہرت پر بہت مغرور ہوتا ہے
اتر جاتا ہے آنکھوں سے دلوں سے دور ہوتا ہے
بسا ہو جس میں تو وہ دل بہت پُرنور ہوتا ہے
حسیں سجدوں کا منظر جیسے کوہِ طور ہوتا ہے
عیاں ہوتا ہے رنج وغم بلا کا سرخ آنکھوں سے
رُلاتا ہے جگر کا زخم جب ناسور ہوتا ہے
جو سچ کہتا یہاں ہے اس کی گردن کاٹی جاتی ہے
یہ دنیا ہے تو دنیا کا یہی دستور ہوتا ہے
امیرِشہر کی دہلیز پر دستار بھی رکھ دے
کسی بیٹی کا مفلس باپ جب مجبور ہوتا ہے
مدد کو بھیج دیتا ہے ابابیلوں کا لشکر تو
مرے پروردگار ! جب تجھے منظور ہوتا ہے
نیا یہ دور ہے رہزن ہی رہبر ہے سیاست میں
سیاست کی بلندی پر وہی معمور ہوتا ہے
تلے پلکوں کے شبنم اشک اکثر جھلملاتے ہیں
”مگر انسان ہنسنے کے لئے مجبور ہوتا ہے“

فیروز سروش (پربھنی)

آئینہ دل سے کبھی خود کا ملایا بھی کرو
نقصِ کردار دکھائے تو مٹایا بھی کرو

دل میں جو بات تھی وہ بات بتادی ہم نے
رازِ دل اپنا ہمیں آپ بتایا بھی کرو

یوں تو ہیں لوگ بہت آج رلانے والے
غم چھپا کر یوں زمانے کو ہنسایا بھی کرو

بات سے بات بھی بنتی ہے بگڑتی ہے مگر
آگ جو دل میں لگی اس کو بجھایا بھی کرو

آئینہ ہم کو دکھاؤ یہ بری بات نہیں
آئینہ جیسا مگر خود کو بنایا بھی کرو

☆☆☆

(قصیدہ)

نذرانۂ عقیدت

بتقریب سبکدوشی پروفیسر قاضی حبیب احمد
(صدر شعبۂ اردو فارسی وعربی، مدراس یونیورسٹی)
بتاریخ ۱۵ر اگست ۲۰۲۳ء بروز منگل شام ۴ بجے
بمقام سیلو ہال، ایلس روڈ چنئی

اثرِ خامہ علیم صبانویدی

اک ستارہ میرے اندر میرے باہر نور کا
نام ہے جس کا حبیبی[1] چاند میں رہتا ہے وہ
صاحب کردار ہے ، وہ علم وفن کی روشنی
نیک نیت پاک طینت کاغذی سورج بنا
جس کے اندر آسمانی روشنی ، حبِّ رسولؐ
اورادب میں جس کے پاؤں چومتے ہیں فن کے پھول
رب کعبہ جس کی ہر محنت کو کرلے گا قبول

[1] پروفیسر قاضی حبیب احمد صاحب

☆☆☆

غزلیں

طٰہٰ صدیقی (پربھنی)
موبائل : 9420889011

بلندی کا بس وہ سفر دیکھتے ہیں
پرندے کہاں اپنے پر دیکھتے ہیں
نکل پڑتے ہیں جو خُدا کے سہارے
وہ منزِل نہ اُس کی ڈگر دیکھتے ہیں
یہ اخبار اتنا ہوا سُرخ کیوں کر
چھپی کیا ہے اس میں خبر دیکھتے ہیں
سبھی دور ہوجاتے ہیں یار ہم سے
ہمیں جب کبھی دربدر دیکھتے ہیں
مخاطب ہے ہم سے یہ تخلیق جس کی
"چلو چل کے اُس کا ہنر دیکھتے ہیں"
غرض ہے جنہیں پیڑ کو کاٹنے سے
درختوں کے وہ کب ثمر دیکھتے ہیں
مِلی تھی پناہیں جہاں مشکلوں میں
ذرا رُک کے ہم وہ نگر دیکھتے ہیں
بھنور میں بھی کشتی جو سالم ہے طٰہٰ
دعاؤں کا ماں کی اثر دیکھتے ہیں

☆☆☆

محسن عظیم انصاری (لکھنؤ)
موبائل : 9451300431

مجبور تھے وہ، جنگ میں صرصر نظر آئے
جب اپنے شہر ہی میں وہ بے گھر نظر آئے
اپنوں کو بھی وہ اپنے سکندر نظر آئے
وہ جوئے مسلسل، وہ سمندر نظر آئے
اخلاق میں، آداب میں اچھوں سے وہ اچھے
احباب مرے کتنوں سے برتر نظر آئے
اک تم ہو چکاچوند جہاں میں ہو پھنسے بس
مومن ہیں وہ جو سجدے میں مضطر نظر آئے
تم مسلک و بکھراؤ کی دنیا میں ہو بدمست
اک وہ ہیں کہ آداب کے خاور نظر آئے
ہنگامہ و شکوہ یہ بلاوجہ کا چھوڑو
یہ طرز، کرو کچھ، نہ مکرر نظر آئے
تم تو ہو براہیمی، یہ کیا آذری، اے دوست
توحیدی ہر اک کام مؤخر نظر آئے
تم گر ہو عظیمی، تو کرو کام بھی عظیم
کردار کرو یوں کہ معطر نظر آئے

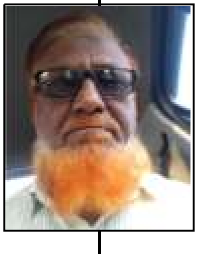

تمیز احمد پرواؔز (ناندیڑ)
موبائل : 9423657008

تیرا حسن و شباب ہے خط میں
یا کوئی ماہتاب ہے خط میں
یہ نشانی ہے پیار کی شاید
کوئی تازہ گلاب ہے خط میں
وصل کی بات ہجر کے قصے
اک مکمل کتاب ہے خط میں
لفظ مخمور کر گئے ہم کو
کیا پرانی شراب ہے خط میں
روز ان سے ہوئے مخاطب ہم
آج ہم سے خطاب ہے خط میں
ہنس کے شوخی سے کہہ دیا اس نے
ایک شاعر کا خواب ہے خط میں
آج پرواؔز ابتدا تو ہوئی
کچھ تکلف حجاب ہے خط میں

قطعات

علیم صبانویدی

ہمیں تو اپنے قلم کا حساب دینا ہے
فرشتے پوچھیں تو ان کا جواب دینا ہے
ہمارے ذہن نے ہم کو بس اتنا سمجھایا
نئی غزل کو نئی آب و تاب دینا ہے

●

ہم اپنے گھر کا تبسم پہن کے آئے تھے
نئی فضا کا ترنم پہن کے آئے تھے
ہمیں سمندری طوفان کیا ڈرائے گا
ہم آسمانی تلاطم پہن کے آئے تھے

●

مسکراہٹ کے گھر میں بیٹھا ہوں
تیرے قرب نظر میں بیٹھا ہوں
ڈوبنا مجھ کو ہے پسند صباؔ
ایک گہرے بھنور میں بیٹھا ہوں

●

چاند کیوں میری حویلی پہ اتر آیا تھا
دل کی خاموش ہتھیلی پہ اتر آیا تھا
مجھ سے کچھ کہنے کی خواہش تھی مگر کہہ نہ سکا
وہ تو خوشبوئے چنبیلی پہ اتر آیا تھا

●

کچھ لوگ اپنا نام و نسب بولنے نہ پائے
خاموش کس لئے ہیں سبب بولنے نہ پائے
گھر جل رہا تھا گھر کے لبوں پر دھواں سا تھا
کس کس پہ کیا ہوا تھا غضب بولنے نہ پائے

●

اتنی جلدی کرو نہ جانے کی
سانس رک جائے گی زمانے کی
خوبصورت سزا ملی ہے مجھے
رات بھر انگلیاں جلانے کی

غزلیں

اسلم مرزا (اورنگ آباد)
موبائل : 9960053707

مکیں خاموش ہیں گھر بولتے ہیں
ہمارے شہر میں ڈر بولتے ہیں
بصیرت ہو تو قطرے میں سمندر
سماعت ہو تو منظر بولتے ہیں
وصالِ یار کا افسوں سلامت
رگ و پے میں سمندر بولتے ہیں
وہیں کھلتا ہے ظرفِ پادشاہی
جہاں پورس سکندر بولتے ہیں

☆☆☆

غلام ثاقب (بیڑ)
موبائل : 9226368493

دل تو وہی ہے دل جو ترا درد پا سکے
تجھ سے جو کل کیا تھا وہ وعدہ نبھا سکے
جلوہ نما ہے طور پہ اب بھی تیرا وہ نور
جل جائے طور اور نہ موسیٰ جلا سکے
وہ بے نیاز ہو کے بھی مجھ سے ہے ہم سخن
یہ راز کون ہے جو مجھے اب بتا سکے
مجھ کو بھی ایک ایسے ہی اپنے کی ہے تلاش
میں ٹوٹ جاؤں گر تو مجھے پھر بنا سکے
مل جائے مجھ کو کاش اس آنچل کا آسرا
سب کی نظر سے مجھ کو جو یک دم چھپا سکے
اک آرزو ہے دل میں دیارِ حبیب کی
مٹی میں مجھ کو میرے صنم کی دبا سکے
بس تیرا نام لکھ دیا اپنے درون میں
کس کی مجال ہے جو مرے دل میں آ سکے

ڈاکٹر یوسف صابرؔ
(اورنگ آباد)
موبائل : 9326772575

لامکانی ہے لامکانی میں
''عکس ٹھہرا ہوا ہے پانی میں''
اس لئے ہے مبالغہ شامل
کچھ تو آئے مزہ کہانی میں
وہ مزہ اُن کی تلخیوں میں کہاں
جو مزہ آئے خوش بیانی میں
آج افسوس کر کے کیا حاصل
کٹ گئی عمر لن ترانی میں
حکمرانی کے جواہل ہی نہیں
ہم بھی ہیں ان کی حکمرانی میں
ایسے ویسے بھی بیٹھ جاتے ہیں
راج گدی پہ راجدھانی میں
صاف صابرؔ لکھا ہے چہرے پر
عشق گہرا ہوا جوانی میں

☆☆☆

(نظم)

کتابوں کی دنیا

ف۔خ۔مسرت (ناندیڑ)
موبائل : 7774905558

یہ ہے پیاری پیاری کتابوں کی دنیا
سوالوں کی میرے جوابوں کی دنیا
جو ماں باپ نے ہم کو اپنے سکھایا
وہی کچھ کتابوں میں ہم نے ہے پایا
کتابیں تمہاری ہیں انمول دولت
کتابوں کو پڑھنا بنالو تم عادت
یہ الفاظ کا ہے ذخیرہ بڑھائے
مدلل ہمیں بولنا یہ سکھائے
ہے سارے جہاں میں تمہیں یہ گھماتیں
کتابیں تمہیں علم سارا بتاتیں
کتابیں ہیں علم و ادب کا خزینہ
کتابیں ترقّی کا ہے اپنے زینہ
کتابوں سے ہم کو ملا راز قدرت
کتابوں سے ہی ہے ملی ہم کو حکمت
کتابیں ہیں دیکھو مسرتؔ کی دنیا
بڑی پیاری پیاری یہ حسرت کی دنیا

الطاف اقبال
(پربھنی)
موبائل : 9370695644

سجا کر تم نے اک مدّت سے دنیا سر پہ رکھی ہے
بہ زعمِ بے خودی ہم نے یہ شئے ٹھوکر پہ رکھی ہے
تماشائے جنوں اک دن یقیناً رنگ لائے گا
نظر کچھ اس طرح ہم نے تن مرمر پہ رکھی ہے
بس اتنا سوچ کر، روشن رہے کُچھ فکر کے پہلو
پُرانی شئے کوئی دِل کے نئے منظر پہ رکھی ہے
ستم در اصل ہے اک پردۂ حُسنِ کرم ورنہ
چبھن ہر زخم کی اُس نے مرے بستر پہ رکھی ہے
میں وہ طائر ہوں اے یارو اسیرِ گلستاں جس کے
عجب ہنگامہ ہے ٹوٹے ہوئے شہ پر پہ رکھی ہے
خلوص و مہر نے خاموش رکھا ہے مجھے ورنہ
شرارت شر پسندوں کی مری ٹھوکر پہ رکھی ہے
اسی سے وہ لگا لیں گے مری وحشت کا اندازہ
کہ میں نے اپنی گردن بڑھ کے خود خنجر پہ رکھی ہے

☆☆☆

مرثیہ

شاعر : سراج زیبائی

علیم صبا نویدی کو خراج عقیدت

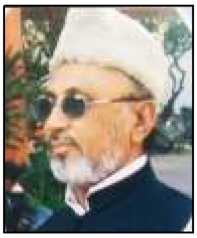

بابائے اردو جس کو یہ کہتا رہا جہاں
ایسا ستارہ علم کا اب کھو گیا کہاں
شعر و سخن کی آپ سے قائم تھی آبرو
ہر دم فروغ اردو کی رہتی تھی جستجو
بے حد علیم منبعِ فن صاحب شعور
سچ پوچھیے تو آپ کی شہرت تھی دور دور
ساری ہی پونجی خدمت اردو میں لگ گئی
ہر سانس ان کی اردو کی خوشبو میں لگ گئی
سارے سخنوروں کے لئے ہمسفر تھے آپ
ٹھنڈک دلوں کی آپ تھے، نورِ نظر تھے آپ
حضرت کی سانس سانس میں اردو کی تھی مہک
بے انتہا خلوص کی چہرے میں تھی چمک
کیسے بھلائیں آپ کی خدماتِ عالیہ
جیتے جی اردو دنیا کا اعزاز پالیا
کرتے رہے جو خدمت اردو ہی صبح و شام
ایسی عظیم ہستی کو ہم سب کا ہے سلام

☆☆☆

ہائیکو

فراغ روہوی

کیسی ہے تقدیر
اکثر اُلٹی نکلی ہے یہ
خوابوں کی تعبیر

اس نئے سال میں

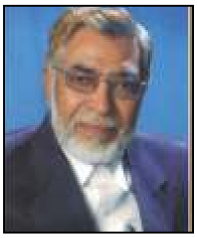

(گیت)

ارشد مینا نگری

اب کسی حال میں
اس نئے سال میں
دکھ نہ آئے کوئی __ سکھ نہ جائے کوئی
سم نہ کھائے کوئی __ غم نہ لائے کوئی
جھک نہ جائے کوئی __ رک نہ پائے کوئی

اب کسی حال میں
اس نئے سال میں
پیار ہی پیار ہو __ یار دلدار ہو
چہرہ گلزار ہو __ دل یہ گل بار ہو
بات شہکار ہو __ لہجہ گل بار ہو

اب کسی حال میں
اس نئے سال میں
کھو نہ جائے کوئی __ رو نہ پائے کوئی
دل نہ ٹوٹے کبھی __ دل کرے دل بری
دمکے ہر روشنی __ چمکے ہر زندگی

اب کسی حال میں
اس نئے سال میں
ہر خوشی پر ہے غم __ ہر ہنسی بھی ہے نم
لٹ گیا یوں کرم __ گھٹ رہا دم میں دم
روئے ارشد قلم __ نا ہو ظلم و ستم

اب کسی حال میں
اس نئے اس سال میں

☆☆☆

نظم

شکست وفا

منظر عالم (منظر یونڈھوی)
جالہ، در بھنگہ موبائل:09955822003

زندگی کی خوشی کا بھرم کھل گیا
سازِ دل کے بھی آثار کم رہ گئے
ہر فریبِ تمنا پہ دم گھٹ گیا
میرے دامن میں رنج و الم رہ گئے
اک مضطرب سی خلش روح میں بس گئی
دل کی دھڑکن بھی خاموش خاموش ہے
ہر نظریہ وفا کا ہے دھوکہ مگر.....!!
آج تک ضبطِ غم کیوں فراموش ہے

☆☆☆

غـــزل

کے انیس اظہر
(وانمباڑی، ویلور)
موبائل : 8270225725

بے آسروں کے حق میں سہارا بنے رہو
انسانیت یہی ہے اسی سے لگے رہو
چاہے تم اپنی ذات سے، کچھ بھی بنے رہو
ماں باپ کی دعاؤں کے سائے تلے رہو
کیا کہہ رہے ہیں لوگ، سنو وہ بھی شوق سے
اپنی ہی بات پر نہ کبھی تم اڑے رہو
لالچ، فریب، جھوٹ، ریا، ظلم، بدظنی
یہ عادتیں بری ہیں بہت ہی بچے رہو
مانا کہ تم ہو پھول رہو نرم بھی مگر
دشمن ہو سامنے تو جفاکش کھڑے رہو
کس کی مجال ہے جو برا کہہ سکے تمہیں
قول عمل میں تم اظہرؔ اگر کھرے رہو

غزلیں

سرفراز بزمی
سوائی مادھوپور راجستھان
موبائل : 09772296970

بلبل کی نوا یاد نہ گل چاک قبا یاد
اب کچھ بھی نہیں دشت میں وحشت کے سوا یاد
تلمیذ گل و بلبل و طاؤس نہیں میں
پروردۂ صحرا کو ہے صحرا کی ہوا یاد
تاریخ کے اوراق میں ڈوبے ہوئے دل کو
آتی ہے سمرقند و بخارا کی فضا یاد
اس رہ روِ درماند کی قسمت نہیں منزل
جس کو نہ رہے شورش فریاد ذرا یاد
پھر دور ہوا چشم غزالاں سے کوئی قیس
پھر آئی دل زار کو صحرا کی صبا یاد
لو ظلم سے کی اس بت مغرور نے توبہ
آیا ہے بڑی دیر سے ظالم کو خدا یاد
ہر شئے ہے مگر چین میسر نہیں دل کو
مغرب کے مسیحا کو نہیں دل کی دوا یاد
دنیا نہیں رکھتی پس تصویر مصور
قرطاس وقلم ، رنگ لہو ، دست حنا یاد
اس سینۂ سوزاں پہ تیرے لمس کی ٹھنڈک
تپتے ہوئے ماتھے پہ ترا دست شفا یاد
کیا کیا نہ دل و جاں پہ شب ہجر میں گزری
کیا کیا نہ رہا مجھ کو زمانے کا کہا یاد
چرچے ہیں تری گرمیِ گفتار کے بزمؔی
کرتا ہے کوئی کنج قفس تجھ کو بھی کیا یاد

☆☆☆

ڈاکٹر ذاکر خان ذاکر (ممبئی)
موبائل :9224392197

خارزاروں میں کوئی مشک بدن ہے سچ ہے
یعنی تتلی کے سرِ دار و رسن ہے سچ ہے
زلفِ الہام پہ تم ہو یہ بجا ہے لیکن
مجھ پہ آنچل سا کوئی سایہ فگن ہے سچ ہے
ایک آواز مجھے کھینچے ہے اپنی جانب
ایک آواز پس دشت و دمن ہے سچ ہے
چاک داماں جو ہوا، داخل زنداں جو ہوا
عشق میرا بھی وہی نخل کہن ہے سچ ہے
چشم پیمانہ دہن غنچہ تو گیسو سنبل
تو سراپائے سخن جانِ چمن ہے سچ ہے
چھین لی ہے غمِ دوراں نے ہنسی ہونٹوں کی
جسم بس لاشۂ بے گور وکفن ہے سچ ہے
اک خطا پر چلا آیا میں فلک سے ذاکر
اب زمیں میرے لئے باغِ عدن ہے سچ ہے

☆☆☆

یاسین انصاری
(اٹاوہ، یوپی)
موبائل : 9690433139

مستقل ہم کو آزماتی ہے
زندگی مشکلیں بڑھاتی ہے
دور نفرت کرو محبت سے
آگ کو آگ کب بجھاتی ہے
پاس اگر حوصلے کا ہو ہتھیار
مفلسی جنگ جیت جاتی ہے
وہ سمجھتے نہیں ہیں دنیا کو
جن کو دنیا بہت لبھاتی ہے
آس کی اک کرن اداسی میں
دیدہ و دل کو جگمگاتی ہے
رخ بدل جاتا ہے کہانی کا
جب حقیقت سمجھ میں آتی ہے
علم ہی ایسی چیز ہے یاسیؔن
جو ہمیں روشنی میں لاتی ہے

☆☆☆

اطہر کلیم (ناندیڑ)
موبائل : 9657655569

دھیرے دھیرے اتر گئی چھت سے
دھوپ گھبرا گئی ہے حدت سے
تم بھی رسموں کی بندشوں میں اسیر
اور مجبور ہم بھی عادت سے
اب سکوں ساتھ ترا کھلتا ہے
انسیت ہوگئی ہے وحشت سے
خاک کو خاک سے ملا دو اب
اک صدا آرہی ہے تربت سے
ایک ننھے دیے کی جرأت کو
تیرگی دیکھتی ہے حیرت سے
جانے کس لمس کی تمنا ہے
ہونٹ پھٹنے لگے ہیں شدت سے

☆☆☆

قطعہ

رضا جالنوی (اورنگ آباد)
موبائل : 8454974740

تم نے چھتوں کا سایہ سروں سے ہٹا دیا
ہر پل تباہیوں کے سوا تم نے کیا دیا
سرسبز کھیتیوں کو اجاڑا تمھیں نے تھا
پر ہم نے پتھروں پہ بھی سبزہ اگا دیا

افسانوی ادب

(افسانہ)

یہ ہوئی نا....؟ عورتوں والی بات....!

حنیف سیّد (آگرہ) موبائل 09319529720

’’یہ ہوئی نا....؟ عورتوں والی بات....!‘‘ نرگس کا اِذن سے انکار کی دردناک خبر کے ساتھ، اُس کی بھیجی ہوئی یہ چھوٹے سے کاغذ کی چٹ پڑھتے ہی ہو کیا گیا مجھ باون سال کے دُولھے کو....؟ نہ ایسا سُنا کبھی، اور نہ ہی کبھی ایسا دیکھا۔ یہ سُن اور دیکھ کر مجھے نہ تو کچھ دکھائی دے رہا ہے، اور نہ ہی کچھ سنائی۔ چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ ساری صلاحیتیں سلب ہوگئی ہیں، سوچنے کی۔ ہاتھ پیر جواب دے گئے ہیں، میرے۔ لگتا ہے جیسے آگ لگا دی ہو کسی نے؛ پکی پکائی فصل میں۔ جیسے سیاہی پلٹ دی ہو قدرت نے میری تقدیر میں، سب کچھ لِکھنے کے بعد۔ گُڑ بھرا ہنسیا ہوگیا ہوں مَیں جیسے چھچھوندر پکڑا، سانپ۔ سکتہ ہی سکتہ ہے: سارے براتیوں میں۔ سوال جواب ہو رہے ہیں: آنکھوں آنکھوں میں۔ سبھی کی جمی ہیں نگاہیں: مجھ پر، اور میری: اِس کاغذ کی چِٹ پر۔

ابھی کچھ دیر پہلے کتنی گہما گہمی تھی: میری شادی میں۔ کل خوشی خوشی آیا تھا، برات لے کر۔ ستّر ڈشوں والا کھانا کھانے کے بعد کیسا ہنگامہ رہا۔ رات بھر......؟ صبح صبح عمدہ ناشتے کے بعد سب کو فرسٹ کلاس جوڑے۔ خوشی خوشی نکاح کی تیاریاں، اور پھر نکاح کے کاغذات پُر کرنے کے بعد نرگس کا اچانک، اِذن سے انکار۔ سمجھو قیامت آگئی ہو، جیسے۔ پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو مجھ پر، مصیبتوں کا۔ وہ بھی اچانک۔ کم بخت نے یہ بھی نہ سوچا: ’’اُس کے یہاں برات لانے میں کتنی جدوجہد کی، مَیں نے۔‘‘

مجھے آج: پینتیس سال پہلے کا، وہ واقعہ یاد آرہا ہے جب میرے گاؤں آئی برات میں نرگس کو سب سے حسین اور الگ دیکھ کر محلے کے مسخروں میں شرط لگی تھی:

’’جو اُس کا مُنہ چومے گا، سو روپے کا نوٹ انعام میں پائے گا۔‘‘ اور وہ شرط مَیں نے جیتی تھی۔ جس پر وہ غصّے سے تمتمایا چہرہ لیے میرے گھر پہنچ گئی تھی، اور اُس نے ہاتھ جوڑ کر بلکتے ہوئے میری ماں سے خوشامد کی تھی: ’’آپ کے بیٹے نے بھری برات میں میری کلائیاں تھام کر زبردستی میرا مُنہ چوما ہے۔ مَیں اُس کا چھوا ہوا یہ جسم کسی اور کو سونپ کر دھوکا نہیں دے سکتی، لِلّٰہ اپنے امجد سے میری شادی کر لیجیے۔ مَیں اپنے گھر والوں کو ہر صورت میں راضی کر لوں گی۔‘‘ جس پر میری ماں نے کہا تھا: ’’تجھ جیسی حرّافہ سے اپنے بیٹے کی شادی.! چل بھاگ یہاں سے۔‘‘ اُس کے لاکھ گڑگڑانے پر بھی میری ماں نے ڈانٹ کر بھگا دیا تھا، اُس کو۔ اور پھر اُس کے چلے جانے پر مَیں نے اپنی ماں سے یہ کہتے ہوئے ضد کی تھی: ’’اب مَیں اسی لڑکی سے شادی کروں گا، کیوں کہ اب وہ کسی اور سے شادی کے لائق نہیں سمجھتی خود کو۔‘‘ جس کی پاک بازی اور کیریکٹر کا اعتراف کرتے ہوئے میری ماں نے بڑے قاعدے سے امیری اور غریبی کی آہنی دیوار کی نشاندہی کرتے ہوئے مجھ کو سمجھا دیا تھا: ’’بہت بڑے گھر کی بیٹی معلوم ہوتی ہے۔ اُس کے گھر والے کسی بھی حالت میں شادی نہ کریں گے، مجھ غریب کے یہاں۔‘‘ بس اُسی دن یہ طئے کر لیا تھا، مَیں نے: ’’مَیں؛ نرگس کو ہر حالت میں حاصل کر کے رہوں گا۔‘‘ اسی لیے تو برات کی وداعی کے دن بس پر بیٹھتے وقت مَیں نے کہا تھا اُس سے: ’’نرگس، مَیں شادی تم سے ہی کروں گا۔ انتظار کرنا، میرا۔‘‘

پینتیس سال پہلے، اُس برات میں پہلی بار ہی دیکھا تھا نرگس کو، نہ کوئی جان، نہ پہچان۔ نہ کوئی پتا، نہ نشان۔ ایسے میں کسی لڑکی کا پتا لگا لینا کوئی آسان نہ تھا۔ کافی دنوں بعد اُس کے شہر کا پتا لگا۔ پھر بڑی مشکل سے یہ کہ اُس کے والد پولِس ڈِپارٹمنٹ میں ایک کلرک ہیں۔ پھر اُن کا شہروں شہروں ٹرانسفر اور پھر پورے پینتیس سال تک پتا لگائے رکھنا، وہ بھی ایک پولِس ڈِپارٹمنٹ کے کلرک کا، لوہے کے چنے چبانے جیسا تھا۔

آخر کیا ہی کیوں اِتنا ذلیل اُس نے، مجھ کو....؟ وہ بھی برات اپنے گھر بلا کر، اِتنا کھلا پلا کر۔ کم بخت نے یہ بھی نہ سوچا: ’’مَیں نے کتنے پاپڑ بیلے اس شادی کے لیے۔‘‘ رات دن ایک کر کے پڑھائی کی۔ پردیسوں کی خاک چھانی۔ کتنی محنت سے بڑا آدمی بنا۔ اُسی کو پانے کے لیے ہی تو۔ پورے پینتیس سال، یعنی کہ بوڑھا ہوگیا، مَیں۔ مَیں بھی نہ رہا کہیں کا، اَب۔ اور نہ وہ ہی رہی کسی لائق، اَب۔ شادی سے انکار کی وجہ کہیں میری باون سال کی عمر تو نہیں.....؟ وہ بھی تو پچاس کے قریب کی ہے۔ یعنی کہ بوڑھی کھڈ، بالکل سے۔ پوچھے گا کون اِس عمر میں، اُس کو....؟ اور مجھے بھی....؟ جب شادی سے انکار ہی کرنا تھا تو کیوں کیا انتظار پینتیس سال تک، دوسرے رشتوں کو نظر انداز کر کے......؟

ہاں....! یاد آیا مجھے، یہ بدلا ہے، ہتک ہے، یہ چِٹ، جواب ہے میری بدتمیزی کا، کیوں کہ مَیں نے بھی عورت ذات کی اَنا کو ٹھیس پہنچاتے ہوئے بھری برات میں اُس کی کلائیاں تھام کر اُس کا مُنہ زبردستی چوم کر شرط کے نوٹ کو لہراتے ہوئے کہا تھا: ’’یہ ہوئی نا....؟ مردوں والی بات.....!‘‘

☆☆☆

(منی افسانہ)

مشورہ

محبوب پاشا اعظمی (چنئی)
موبائل : 9445377037

''اب آگے جو بھی ہوگا دیکھ لوں گا۔ میرے اپنے ساتھیوں نے مجھے غلط مشورہ دیا ہے، جس کی وجہ سے میری یہ حالت ہوئی ہے۔ مجھے اکیلے ہی کچھ کرنا ہے۔''

''کیا کرنا ہے؟''

''یہ میں تمھیں بتانا نہیں چاہتا۔ یہ بڑا سنجیدہ معاملہ ہے۔''

''جب شروع میں اس بارے میں میں نے تم سے بات کی تھی تمہارا رویہ ناقابل برداشت تھا اور اس بار تم اتنے سیریس ہو؟ آخر بات کیا ہے __''

''جس پارٹی کے لئے میں نے اپنا خون پسینہ ایک کیا، آج مجھ سے کہا جارہا ہے پارٹی چھوڑ دو، صدر کی پوسٹ سے استعفیٰ دے دو۔ یہ کل کے لونڈے مجھے سیاست سکھا رہے ہیں۔ میرا چالیس سالہ تجربہ، سیاسی داؤ پیچ سب گیا تیل لگانے۔''

''اگر یہ بات ہے تو پارٹی کے انتخابات کیوں نہیں کرواتے۔''

''کچھ فائدہ نہیں، اکثریت ان کے ساتھ ہے۔''

''پھر تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ لوک سبھا کے چناؤ کی تاریخ کا اعلان دو تین ہفتوں میں ہوجائے گا۔''

''ایک نئی پارٹی بنانے کی سوچ رہا ہوں۔''

''بہت اچھے۔ کوا چلا ہنس کی چال اور اپنی ہی چال بھول گیا۔''

''یہ کیا بکواس کررہے ہو۔ نئی پارٹی بنانا اتنا آسان نہیں جبکہ الیکشن سر پر ہے۔ کروڑوں روپئے خرچ کرنے پڑتے ہیں۔''

''اتنے روپئے تو میرے پاس ہیں اور __ ہاں۔ نوٹ بندی کے سمئے کمایا ہوا کافی روپیہ میرے پاس پڑا سڑ رہا ہے، آخر یہ کس کام آئے گا، یہی وقت ہے کالا دھن وائٹ کرنے کا۔''

''آخر کتنا کالا دھن ہے تمہارے پاس؟''

کبھی گنا نہیں۔ ویسے تین چار سو کروڑ میرے پاس تو ہوں گے اور ضرورت پڑنے پر بڑے صنعتکار اور بیوپاری میری مدد کے لئے تیار ہیں۔ ضرورت پڑنے پر فی ایم پی دس بارہ کروڑ میں خریدا جاسکتا ہے اور مخالف پارٹی کے بکاؤ ایم پیس کی بھی بولی لگائی جاسکتی ہے، ان کی لسٹ میرے پاس ہے۔''

''تم نے کافی ہوم ورک کرلیا ہے۔ یہ نئی پارٹی کا اعلان کب کررہے ہو؟ کس بات کی دیری ہے۔''

''مشورہ __!''

''سیاسی پنڈت سے بات کرنے کی دیری ہے۔''

''سیاسی پنڈت __! سیاسی چانکیہ کے مشورہ کی دیری ہے۔ ان کے کہنے کے مطابق دن، سمئے، تاریخ، سمت، جگہ اور پارٹی کا سمبل معلوم ہوجانے کے بعد ہی میں اپنی نئی پارٹی کا اعلان کرسکتا ہوں۔ پھر دیکھنا __! سرکار میں ہی بناؤں گا۔''

دھنوان نیتا کو اچانک دل کا دورہ پڑا اور وہ اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ جو مشورہ چانکیہ نے اُسے لاکھوں روپئے میں دیا تھا مخالف پارٹی کا سیاسی صلاح کار بھی وہی تھا اور یہی خبر دھنوان نیتا کے دل کے دورے کا کارن بنی تھی۔

☆☆☆

تین افسانچے

ارشد صدیقی (بیڑ)
موبائل : 8999434891

(۱) انتشار

ایک خدا ......

ایک نبی ......

ایک قرآن ......

ایک کعبہ ......

ایک دین ......

ایک مسلک ......

ایک امام ......

پھر بھی قوم انتشار کا شکار کیوں ہے؟ میں نے اس سوال کا جواب کئی بار خود اپنے آپ سے طلب کیا۔ مگر میں کچھ کہہ نہ سکا ...... !!

(۲) جھوٹا دعویٰ

بیٹا بڑے جوش وخروش سے اپنی ماں سے محبت کا دعویٰ کرتا تھا ...... لیکن جب وہ اپنی پہلی تنخواہ اپنی بیوی کے ہاتھ میں دے رہا تھا...... ماں آرزو بھری آنکھوں سے اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھی ...... اور پھر سوچ میں گم ہوگئی۔

(۳) لاک ڈاون

''میں تم سے بے حد پیار کرتا ہوں'' ......

''میں تمہارے بنا نہیں رہ سکتا ......

لیکن میں فی الوقت تم سے شادی نہیں کرسکتا ......

کیوں کہ لاک ڈاون ہے ......''

میں نے دل ہی دل میں کہا :

بے وفا تجھے پھر ایک نیا بہانہ مل گیا......!! ☆

افسانچے

ڈاکٹر عظیم راہی (اورنگ آباد)
موبائل : 9370992203

(۱) برق رفتاری

۵۰/کتابوں کے مصنف' شاعر و ادیب اور اُس کے قریبی دوست کی ایک تازہ کتاب پر ابھی تبصرہ تکمیل کے مراحل میں ہی تھا کہ اسے پوسٹ سے اُن کی دوسری کتاب برائے تبصرہ موصول ہوئی ۔ موصولہ کتاب کی سرسری ورق گردانی کے دوران اسے تیسری کتاب کا اشتہار نظر آیا۔

وہ سوچنے لگا کہ ''تبصرہ نگاری کے لئے ایسی برق رفتاری کہاں سے لاؤں۔''

(۲) حصہ

اُسے اپنے والدین کی جانب سے جب حصہ ملا تو وہ بہت خوش ہوا کہ اِس طرح اُسے اپنے سر پر ذاتی چھت نصیب ہوگئی تھی اور اُس کی زندگی کے دن ہنسی خوشی سے گزرنے لگے تھے۔

لیکن ایک عرصہ کے بعد جب وہ بیمار ہوا تو مرض کی تشخیص کے دوران ڈاکٹر نے کہا کہ 'یہ اُس کے حصہ کی تکلیف ہے۔'' اُسے کچھ سمجھ میں نہیں آیا وہ حیرانی سے ڈاکٹر سے سوال کر بیٹھا ''وہ کیسے ڈاکٹر صاحب؟''

اُس کے دوبارہ استفسار پر ڈاکٹر بولا: ''دراصل یہ مرض موروثی ہے۔''

(۳) نئی نسل

گھٹنے میں درد کی وجہ سے وہ رمضان میں تراویح کی آٹھ رکعتیں ہی پڑھ رہا تھا۔ یہ جان کر بیٹے نے کہا :

''پاپا' میں فولڈنگ چیئر لاکر دیتا ہوں تاکہ آپ پوری تراویح پڑھیں۔'' یہ سن کر باپ نے جواب دیا۔

''لیکن بیٹے تم تو بغیر کسی تکلیف کے تراویح کی صرف چار رکعت پڑھ کر غائب ہوجاتے ہو۔''

''ہاں' پاپا میرے پیچھے بہت سارے کام ہوتے ہیں''!

افسانچے

علیم طاہر
(مالیگاؤں)
موبائل : 9623327923

(۱) ایک ہی تھالی کے ......

ٹیچر : کیا آپ کے قول و فعل میں تضاد نہیں لگتا؟

ہیڈ ماسٹر : وہ کیسے؟

ٹیچر : جب آپ ٹرانسفر ہوکر اسکول آئے تھے تو آپ نے میٹنگ میں کہا تھا کہ لوگ بچوں کی کھچڑی کے چاول تک ہڑپ لیتے ہیں۔ میں یہ قطعی برداشت نہیں کروں گا۔ اور اب؟

ہیڈ ماسٹر : (ہنس کر) ہاں بھئی جو کہا جائے ضروری نہیں کہ کیا جائے۔

ٹیچر : سمجھ گیا سر۔ آج کے ہیڈ ماسٹر اور لیڈر میں فرق نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں بھی ......

(۲) منطق

ملزم : آخر آپ مجھ سے جھوٹ کیوں بلوانا چاہتے ہو۔

حاکم : کیونکہ مجھے سچ پسند نہیں۔

ملزم : لیکن سچ کا دوسرا نام خدا ہے۔

حاکم : مگر ہم خدا نہیں۔ خدا کے بندے ہیں اور بندے گنہگار بھی ہوتے ہیں ......

(۳) کنفیوژن

پہلا آدمی : گفتگو سلیقے سے کی جانی چاہئے۔

دوسرا : تو کیا ہم جاہل ہیں؟

پہلا : میں نے یہ تو نہیں کہا۔

دوسرا : یہی تو پرابلم ہے۔ جو تم نہیں کہتے ہو ہم وہی سوچ کر کنفیوژ ہوجاتے ہیں۔

پہلا : یہ تو تمہارا پرابلم ہے۔

دوسرا : اور ہمیں اس پرابلم سے کنفیوژن ہے۔

☆

افسانچے

ڈاکٹر نخشب مسعود (مالیگاؤں)
9372012930

(۱) فساد

"زمین پر تو تم ٹھیک سے رہ نہیں سکے، یہاں آسمان میں آکر تم کیا کروگے؟"

(۲) ترقی

روبوٹ نے ساری دنیا پر قبضہ کرلیا، ....اب آدمی اس کا غلام ہے۔

(۳) ردعمل

"بہت جلد ہم دہشت گردی پر قابو" ..... وہ اس سے آگے کہہ نہیں سکا اور گولی اس کے دل میں اتر گئی۔

☆

لگھو کتھا

(۴) لاجواب

لگھو کتھا کار: جیوتی جین

مترجم : نخشب مسعود

ایک بار پھر وکرم نے بیتال کو درخت سے اتار کندھے پر ڈالا اور چل پڑا . ہر بار کی طرح بیتال نے اس بار بھی سوال کیا" . وکرم آج کل یہ بھرشٹا چار مخالفت کا بڑا بول بالا ہے جب سبھی بھرشٹا چار کے خاتمے کی بات کر رہے ہیں تو پھر بھرشٹا چاری کون ہے؟

اس سوال کا جواب جانتے ہوئے بھی نہ دوگے تو ... تمہارا سر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور اگر بولے تو جانتے ہو میں پھر درخت پر لوٹ جاؤں گا ."اس بار وکرم لاجواب تھا . بے بس بیتال چپ چاپ اس کے کندھے پر لٹکا رہا اور وکرمادتیہ چلتا رہا۔

☆

ہمارے شہر اورنگ آباد میں طلسم ہوشربا سے سے زیادہ مشہور ومقبول داستان نان وقلیہ صدیوں سے کھانے والوں کی پسندیدہ تصانیف میں شمار ہوتی ہے۔معرکہ نان وقلیہ طویل مدتی محاصرہ کے بعد یلغار کی شکل میں میدان کارزار میں وقوع پذیر ہوتا ہے دونوں جانب سے صفیں مستعد ہوجاتی ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ لمحہ آتا ہے جب دونوں جانب کی صفیں وہ قتل عام مچاتی ہیں کہ میدان کارزار مہلوکین اور زخمیوں سے بھر جاتا ہے، بیرونی رسد کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور مورخ ایک نئی تاریخ لکھتا جاتا ہے پہلا حملہ کامیابی سے ہوا ہی تھا کہ دوسرا تازہ دم جتھہ مورچہ سنبھال لیتا ہے باوجود ناکہ بندی، مورچہ بندی اور صفوں کی صف بندیاں دوبارہ ہونے لگتی ہیں اور اسی کے ساتھ میدان جنگ سے بگل بجتا ہے اور محاصرہ کی ہوئی فوج ایک بار پھر یلغار کرتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ تازہ دم میدان سر کر لیتے ہیں۔مسلسل اور جارحانہ حملوں نے نان و قلیہ کے ملے جلے زخموں سے میدان کارزار کو لالہ زار کردیا۔کبھی آتے ہوئے سامان رسد کی کمک ہر جان لیوا حملوں سے جو افراتفری مچی اس سے بھی میدان جنگ کی زمین رستے لہو کی شہادت پیش کرتا رہا اور پھر وہ وقت آتا ہے جب سالار میدان شکست کے اعتراف میں سرخم تسلیم کرتے ہوئے سفید علم بلند کردیتا ہے۔بالآخر یہ معرکہ اپنے اختتام کو پہنچتا ہے اور ہم وہ مرد مجاہد ہیں جو میدان کارزار سے سالم وغانم بن کر لوٹتے ہیں اور اس مال غنیمت کو جلد ٹھکانے لگانے کی خاطر احباب کے ساتھ وسائل ہضم کی جانب چل پڑتے ہیں۔اسی طرح وہ تمام بندے جو اس معرکہ میں ہمارے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر اپنی جوانمردی کے جوہر دکھا چکے وہ بھی جشن فتح مناتے ہوئے اپنی کمین گاہوں کی جانب چل پڑتے ہیں۔

یہ معرکہ نان وقلیہ صدیوں سے جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا اور اسی طرح میدان کارزار اس عظیم معرکہ کے مجاہدین کو دعوت مبارزت دیتا رہے گا۔کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میدان جنگ کا نقشہ ہی بدل جاتا ہے اور مجاہدین جو معرکہ نان وقلیہ کی آس میں اپنے قدم میدان کارزار کی طرف بڑھاتے ہیں اچانک انھیں پتہ چلتا ہے کہ یہاں معرکہ بریانی بپا ہونے جارہا ہے تو وہ اپنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور شکست خوردہ فوج کی طرح میدان جنگ کو اپنی پیٹھ دکھا دیتے ہیں کئی ایک تو اس معرکہ میں شرکت کو کسر شان سمجھتے ہیں اور کمزور حریف جان کر پروانہ معافی کے انداز میں اپنی تلواریں میان میں رکھ دیتے ہیں۔ صدیاں بیت گئیں میدان جنگ کے اصول بدل گئے گھوڑوں، ہاتھیوں اور تیغ وتلوار کی جگہ بندوقیں، بم اور ٹینکوں نے لے لیں لیکن نان وقلیہ کی جنگ کے اصول نہیں بدلے۔بعض افراد نے اس میں جدت لانے کی کوشش کی مثلاً صف بندی کی جگہ میز کرسی پر بیٹھ کر نان وقلیہ کی بساط سجائی لیکن انھیں ناکامی کی صورت زدہ بکتر پر گر کر صاف نظر آئی۔ہمارے غازی نان وقلیہ کے مجاہد جنھوں نے اپنی ساری زندگی اس عظیم معرکہ سے برسرپیکار رہ کر اپنی جانیں واحد لاشریک کو سپرد کیں، انہوں نے بھی ان جنگی اصولوں کو کبھی نہیں توڑا، اسی وجہ سے وہ کامیابیوں کے پرچم لہرا گئے اور کئی عظیم الشان فتوحات سے سرفراز ہوئے اور تاریخ کے صفحات پر روشن ستارے بن کر چمکے۔

نان وقلیہ کی جنگ دو عام اصولوں پر لڑی جاتی ہے ایک قلعہ بند ہو کر اور دوسری کھلے میدانوں میں۔قلعہ بند جنگ میں محاصرہ کی مدت طویل ہوتی ہے اندرا تنی رسد ہوتی ہے کہ بیرونی رسد کے نہ پہنچنے کی مشکل میں بھی اندرونی آبادی اچھی طرح شکم سیر ہوجاتی ہے۔لیکن جب فاتح افراد قلعہ کا دروازہ کھول کر بیرونی دنیا میں قدم رکھتے ہیں تو باہر کے محاصرہ کو توڑ کر انھیں نکلنا مشکل ہوجاتا ہے۔ایک واقعہ نگار کے مطابق ایسا نظر آتا ہے جیسے اندرونی اور بیرونی مجاہدین آپس میں برسرپیکار ہیں اور وہ دھکم پیل ہوتی ہے کہ کون فاتح ہے اور کون مفتوح اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے۔شکم سیری اور خالی شکم کے بیچ یہ ازلی دشمنی ہے جو ایسے مواقع پر کھل کر سامنے آجاتی ہے۔قلعہ بند جنگ میں یہی سب کچھ ہوتا ہے۔دوسری لڑائی کھلے میدانوں میں لڑی جاتی ہے اس میں ہر کوئی مورچہ سنبھالنے کے لیے سارے میدان میں اپنے گھوڑے دوڑاتا پھرتا ہے اور جہاں کوئی مناسب جگہ ملی اپنی کمند ڈال دیتا ہے۔صفیں یہاں بھی بنتی ہیں لیکن اس کا ایک منفی پہلو یہ بھی ہے کہ رسد برموقع نہیں پہنچ پاتی جو مجاہد رسدگاہ کے قریب صف باندھے ہوتے ہیں وہ بڑے مزے میں اور آسانی سے جنگ شروع کردیتے ہیں اور جو دوری پر مورچہ سنبھالے بیٹھتے ہیں وہ رسد کی راہ دیکھتے اور ساتھ ہی ہراول دستوں پر للچائی نظروں سے تکتے رہتے ہیں کہ کب گولہ بارود اور سیال مادوں کی شکل

میں رسدان تک پہنچے گی اور وہ میدان جنگ میں اپنی جوانمردی کے جوہر دکھلائیں گے۔بہرحال کسی نہ کسی طرح رسدان تک پہنچ ہی جاتی ہے اور وہ شیر کی طرح اپنے اس ازلی اور پسندیدہ شکار پر ٹوٹ پڑتے ہیں پھر وہ ہڑبونگ مچتی کہ ایک چشم دید جو اس جنگ میں بذات خود شریک تھے ان کے بیان کے مطابق نان کب قلیہ میں غوطہ زن ہوئی اور کب وہ مرد مجاہد کے شکم میں پہنچی پتہ ہی نہیں چلا، نان ٹوکروں میں اور قلیہ بادیوں میں میدان جنگ میں پہنچتے رہتے ہیں۔یہ وہ مناظر ہوتے ہیں جو اس میدان کی جنگ میں رسد پہنچانے والوں کی تری میں مل کر اس لڑائی کو اور بھی تقویت بخشتے ہیں اور ہر کوئی یہ عزم لئے ہوتا ہے کہ کسی طرح وہ یہ جنگ جیت جائے اور تاریخ میں اپنی شکم سیری کو رقم کرے۔ علاقہ واریت کی اس جنگ کو بیرونی مندوبین بڑی تعجب کی نظروں سے دیکھتے ہیں بڑی کوشش کے بعد انھیں یہ لڑائی لڑنی پڑتی ہے۔وہ ہمارے علاقے کے شکم سیروں کی فوج کا مقابلہ نہیں کر پاتے اور بہت جلد ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔

بہرحال نان وقلیہ کی یہ جنگ شادی بیاہ کی تقریبات تک محدود نہیں رہی بلکہ عقیقہ، تسمیہ خوانی، سالگرہ و دیگر خوشی کے مواقع کو پھاند کر دسواں، چہلم اور برسی جیسے موقعوں پر بھی اس جنگ کا آغاز ہو چلا ہے آج کل تو یہ روایات بھی اس جنگ کا باعث بننے لگیں کہ کسی کا لخت جگر دسویں اور بارہویں میں کئی بار نامراد ہو کر بالآخر کامیابی کی سیڑھی چڑھ ہی گیا تو اہل خانہ نے نان وقلیہ کی جنگ کا اہتمام کر ڈالا۔ ہمارے چشم دید گواہ کے مطابق ان مواقع پر بھی چھاپہ مار دستوں نے وہی روایتی جنگ کا آغاز کر دیا جو مدتوں سے چلا آرہا ہے۔

دنیا بھر میں کئی بڑی بڑی عالمی جنگیں ہوئی۔ پہلی ، دوسری عالمگیر جنگیں برپا ہوئیں لیکن ان تمام جنگوں کے مقابلے میں نان وقلیہ کی جنگ تاریخ میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔

مورخ جب بھی عظیم جنگوں کا ذکر کرے گا ہمارے علاقے کی نان وقلیہ کی جنگ عظیم کے بغیر اس کا تذکرہ ناقص وادھورہ کہلائے گا۔

☆☆☆

بقیہ : تبصرہ کتاب 'شاہ کار'

بیک سائڈ کورپیج پر ممبئی کے رؤف صادق کی تحریر ہے جس میں رؤف صادق نے ابن آدم کے افسانوں پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ افسانہ ''بارش'' تو ہم پرستی کے جال میں بنا گیا۔ ماضی و حال سے مربوط افسانہ ہے۔''ٹامی'' خباثت و بے حیائی کا ایک تمثیلی و علامتی افسانہ ہے۔''قالب'' مسائل سے جوجھتے ہوئے متوسط طبقہ کے فرد کی کہانی ہے۔جس کا مقدر جلتے ہوئے تارکول کی سڑک کے سوا کچھ نہیں ہے۔ افسانہ ''شاہکار'' مکالموں کی تکنیک پر قائم کیا گیا عمدہ افسانہ ہے۔جس میں فرائیڈ اور مارکس کے فلسفے کا امتزاج نظر آتا ہے۔''

ابن آدم کے افسانوں میں تہہ داری ، معنی خیزی ، علامت نگاری، اشاریت و پیچیدگی، کہانی پن کو متاثر کرتی نظر آتی ہے۔ان کے افسانے نقطہ عروج ، تجسس اور چونکا دینے اختتام سے عاری نظر آتے ہیں۔ابن آدم کے افسانے پڑھنے کے بعد جدیدیت دور کی یاد تازہ ہوتی ہے۔عصر حاضر میں افسانے صاف ستھری کہانی پن کی جانب لوٹ چکے ہیں۔اس بات کا ابن آدم کو بھی مستقبل میں خیال رکھنا ہوگا۔

کتاب کا آغاز ابن آدم کے ''پیش لفظ'' سے ہے جس میں خود انھوں نے اپنی کمیوں اور خامیوں کا اعتراف کرتے ہوئے تحریر کیا ہے :

''کبھی خاکہ لکھ کر اسے افسانہ بنایا تو کبھی منظر کشی کر کے اس میں افسانویت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ''چاند اور چاندنی''، ''قطرۂ خون''، ''زور پشیماں'' اور ''درد آشنا'' جیسی تحریروں کو ماہنامہ ''بیباک'' کے مدیر ہارون بی اے صاحب نے اپنے ماہنامہ میں شائع کر کے حوصلہ افزائی کی تھی۔اس کے باوجود کم ہنری اور کم مائیگی کا احساس قائم رہا۔''

ابن آدم حقیقت پسند اور مخلص انسان ہیں۔زبان و بیان پر مکمل دسترس رکھتے ہیں۔امید ہے کہ وہ مستقبل میں افسانہ نگاری میں بھی بلند مقام حاصل کریں گے۔

اس کتاب کے آخر میں مصنف کے کوائف و ادبی اعزازات شامل ہیں جو مصنف کا ادب میں مقام طئے کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔اس کتاب کو مندرجہ ذیل پتے سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

641/B، گلی نمبر ۵، نیا پورہ، مالیگاؤں، ضلع ناسک
(مہاراشٹر) ☆☆☆

ایسا نہ ہو کہ بادل سے زیادہ چھت ٹپکنے لگے
برسات کے موسم میں اپنے گھر کی چھت کو ٹپکنے سے
بچانے کے لئے ہماری خدمات حاصل کیجئے۔
Water Proofing
9822059723, 8793751113 محمد اختر خان
Shino Paints
Aurangabad.

گرمی میں بھی سردی کا احساس
آپ کے گھر کی چھت آر سی سی کی ہو یا ٹین یا فرشی کی
ہو، شدید گرمی سے چھٹکارا پانے کا جدید طریقہ
Heat Proof Paint
لگایئے اور اپنی چھت کو ٹھنڈا رکھئے۔
9822059723, 8793751113 محمد اختر خان
Shino Paints
Aurangabad.

خصوصی گوشہ منتخب شعرائے مرہٹواڑہ (حصہ دوم)

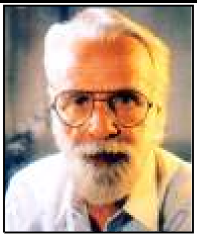

تعارف

نام : بشارت نواز خان
قلمی نام : بشرؔنواز
پیدائشی مقام : اورنگ آباد (مہاراشٹر)
پیدائش : ۱۸/ اگست ۱۹۳۵ء
وفات : ۹/ جولائی ۲۰۱۵ء

ادبی خدمات : شاعری، مضمون نگاری، تنقید نگاری، فلمی نغمہ نگاری (بازار، جانِ وفا اور تیرے شہر نامی فلموں کے نغمے لکھے۔) ریڈیو، ڈراموں کا حصہ بنے، ٹیلی ویژن سیریل امیر خسرو کی پس منظر نویسی کی۔

تصانیف : (۱) رائیگاں (شعری مجموعہ) اشاعت ۱۹۷۲ء (۲) اجنبی سمندر (شعر مجموعہ) ۱۹۹۷ء (۳) نیا ادب نئے مسائل (تنقیدی مضامین کا مجموعہ)

بشرؔنواز ترقی پسند تحریک کے ممتاز شعراء میں شمار ہیں۔

تعلیم : انٹرمیڈیٹ پاس
اہم ایوارڈ : مرزا غالب ایوارڈ

غزلیں

روز کہاں سے کوئی نیا پن اپنے آپ میں لائیں گے
تم بھی تنگ آ جاؤ گے اک دن ہم بھی اکتا جائیں گے

چڑھتا دریا ایک نہ اک دن خود ہی کنارے کاٹے گا
اپنے ہنستے چہرے کتنے طوفانوں کو چھپائیں گے

آگ پہ چلتے چلتے اب تو یہ احساس بھی کھو بیٹھے
کیا ہوگا زخموں کا مداوا دامن کیسے بچائیں گے

اس جانب ہم اس جانب تم بیچ میں حائل ایک الاؤ
کب تک ہم تم اپنے اپنے خوابوں کو جھلسائیں گے

سرما کی رت کاٹ کے آنے والو پرندوں یہ تو کہو
دور دیس کو جانے والے کب تک لوٹ کے آئیں گے

تیز ہوائیں آنکھوں میں تو ریت دکھوں کی بھر ہی گئیں
جلتے لمحے رفتہ رفتہ دل کو بھی جھلسائیں گے

محفل محفل اپنا تعلق آج ہے اک موضوعِ سخن
کل تک ترکِ تعلق کے بھی افسانے بن جائیں گے

☆

چپ چاپ سلگتا ہے دیا تم بھی تو دیکھو
کس درد کو کہتے ہیں وفا تم بھی تو دیکھو

مہتاب بکف رات کسے ڈھونڈ رہی ہے
کچھ دور چلو آؤ ذرا تم بھی تو دیکھو

کس طرح کناروں کو ہے سینے سے لگائے
ٹھہرے ہوئے پانی کی ادا تم بھی تو دیکھو

یادوں کے سمن زار سے آئی ہوئی خوشبو
دامن میں چھپا لائی ہے کیا تم بھی تو دیکھو

کیوں آنے لگیں سانس میں گہرائیاں سوچو
کیوں ٹوٹ چلے بند قبا تم بھی تو دیکھو

☆

بہت تھا خوف جس کا پھر وہی قصہ نکل آیا
مرے دکھ سے کسی آواز کا رشتہ نکل آیا

وہ سر سے پاؤں تک جیسے سلگتی شام کا منظر
یہ کس جادو کی بستی میں دلِ تنہا نکل آیا

جن آنکھوں کی اداسی میں بیاباں سانس لیتے ہیں
انھیں کی یاد میں نغموں کا یہ دریا نکل آیا

سلگتے دل کے آنگن میں ہوئی خوابوں کی پھر بارش
کہیں کونپل مہک اٹھی کہیں پتا نکل آیا

پگھل اٹھتا ہے اک اک لفظ جن ہونٹوں کی حدت سے
میں ان کی آنچ پی کر اور بھی سچا نکل آیا

گماں تھا زندگی بے سمت منزل ہے بیاباں ہے
مگر اک نام پر پھولوں بھرا رستا نکل آیا

☆

ہر نئی رت میں نیا ہوتا ہے منظر میرا
ایک پیکر میں کہاں قید ہے پیکر میرا

میں کہاں جاؤں کہ پہچان سکے کوئی مجھے
اجنبی مان کے چلتا ہے مجھے گھر میرا

جیسے دشمن ہی نہیں کوئی مرا اپنے سوا
لوٹ آتا ہے مری سمت ہی پتھر میرا

جو بھی آتا ہے وہی دل میں سما جاتا ہے
کتنے دریاؤں کا پیاسا ہے سمندر میرا

وہ تو مہتاب تکیں راہ اجالے تیری
میں وہ سورج کہ اندھیرا ہے مقدر میرا

☆

آہٹ پہ کان در پہ نظر اس طرح نہ تھی
ایک ایک پل کی ہم کو خبر اس طرح نہ تھی

تھا دل میں درد پہلے بھی لیکن نہ اس قدر
ویراں تو تھی حیات مگر اس طرح نہ تھی

ہر ایک موڑ مقتلِ ارماں و آرزو
پہلے تو تیری راہ گزر اس طرح نہ تھی

جب تک صبا نے چھیڑا نہ تھا نکہت گلاب
کوچہ بہ کوچہ محو سفر اس طرح نہ تھی

برسوں میں پہلے ہوتی تھی نم آستیں کبھی
ارزاں متاعِ دیدۂ تر اس طرح نہ تھی

☆☆☆

تعارف

نام : عبدالمقتدر صدیقی
قلمی نام : ذکی صدیقی
تخلص : ذکیؔ
وطن : اورنگ آباد
خدمات : صحافت وشاعری
ولد : مولوی عبدالمقیت صدیقی
موبائل : 9371062367

ذکی ہائی اسکول ہی کے زمانے سے ادبی محافل کا شغف رکھتے تھے۔ شمس صاحب کے اصرار پر شاعری کا باضابطہ آغاز کیا تاہم حضرت شمس سے کبھی بھی اصلاح نہیں لی۔ اپنی نئی تخلیقات ابتداء میں آصف جالنوی کو دکھائیں۔ جالنہ میں انجینئر حفیظ اللہ خان حفیظ جالنوی نے بزم شمع ادب کی بنیاد ڈالی تو کم از کم ایک دہائی بزم کے ماہانہ مشاعروں کی نظامت بھی کی اور ہر ماہ کے مشاعروں میں اپنا کلام بھی سناتے رہے۔ روزگار کی تلاش میں اورنگ آباد آئے اور اردو اخبار ''ایشیاء ایکسپریس'' سے منسلک ہوئے اور ادبی صفحہ ''وراثت'' کو بہترین رخ دیا۔ ہر سطح کے مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں۔

☆

غزل

کیوں ٹوٹ کے بکھرا ہوں دیکھے تو کوئی آخر
جذبات ہیں کیا میرے سمجھے نہ کبھی آخر

اپنوں کا تغافل ہی اک دن مری جاں لے گا
ماتم ہی کریں گے یہ تربت پہ مری آخر

کیوں شیشۂ دل ٹوٹا نفرت کی گری بجلی
الفت کی حسیں چادر کیوں چاک ہوئی آخر

سب اہل وطن کل تک تھے شیروشکر باہم
ماحول یہ کیوں بدلا کیا بات ہوئی آخر

ٹوٹے گا حصارِ شب چھٹ جائے گی تاریکی
پائے گا سراغ اپنی منزل کا ذکیؔ آخر

☆

آن پر آئی تو ہر چیز گنوادی ہم نے
راحتیں زیست کی سب تم پہ لٹادی ہم نے

دل کی نگری کو تو ہر گام پہ روندا تم نے
رسم الفت کی مگر ہنس کے نبھادی ہم نے

نشہ دولت کا تجھے مجھ سے جدا کردے گا
یہ حقیقت ہی بتانے کو صدا دی ہم نے

دھجیاں دامن الفت کی اڑانے والو
خود کو بے جان سی اک لاش بنادی ہم نے

ہم کو منظور نہ تھا آن کا اپنی سودا
آگ ہاتھوں سے نشیمن کو لگادی ہم نے

اب غلامی کی توقع نہ ذکیؔ سے رکھئے
فاصلے بڑھ گئے دیوار گرادی ہم نے

☆

غزل

دنیا نے بندھا پیٹ کا پتھر نہیں دیکھا
تاریخ نے ایسا کوئی رہبر نہیں دیکھا

ہم دل میں لئے آئے تھے اک پیار کا طوفاں
تم نے ہی ہمیں آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا

دلدادہ نہیں عیش وطرب کا یہاں میں بھی
''تم نے میرا کانٹوں بھرا بستر نہیں دیکھا''

ہم اپنے محافظ کے ہی ہاتھوں ہوئے برباد
کیا تم نے فسادوں کا وہ منظر نہیں دیکھا

آمادہ ذکیؔ آج بغاوت پہ ہوا کیوں
تم نے تو کبھی دل میں اُتر کر نہیں دیکھا

☆

غزل

بات سچی دبی زبانوں میں
کون سنتا ہے ان زمانوں میں

جعل سازی ، ریا، فریب ، دغا
ہیں یہ اوصاف حکمرانوں میں

مجھ کو اعلانِ حق تو کرنا ہے
شعر و نغمہ کی اب زبانوں میں

دل پہاڑوں کا چیر سکتے ہیں
عزم محکم ہو گر جوانوں میں

میں فقط ایک مشت خاکی ہوں
''میرے چرچے ہیں آسمانوں میں''

سسکیاں رنج و غم گھٹن کے سوا
کیا ملے گا غریب خانوں میں

رخ زمانے کا موڑ سکتے ہو
روح پیدا کرو اذانوں میں

سازشیں آپ کو مٹانے کی
آپ کے ہی ہیں رازدانوں میں

لوگ ہنس ہنس کے کہہ رہے ہیں ذکیؔ
تھے حقیقت ہیں اب فسانوں میں

☆

غزل

تذکرہ جب بھی ہوا جب بھی کوئی بات ہوئی
جانے کیوں موردِ الزام مری ذات ہوئی

یہ بلکتے ہوئے بچے ، یہ سسکتی مائیں
کون اس جنگ میں جیتا ہے کسے مات ہوئی

میرے پہلو میں دلِ زار تڑپتا ہی رہا
آپ کی بزم میں حاصل یہی سوغات ہوئی

مرکزِ امن و مساوات جسے سمجھے تھے
ہائے اُس شہر میں ناقدریٔ جذبات ہوئی

خود کو ہی بھول گئے کچھ نہ ہمیں یاد رہا
دن کہاں نکلا کہاں گذرا کہاں رات ہوئی

تعارف

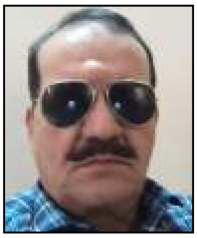

نام :
محمد اختر خان (لالہ)

والد کا نام : سردار خان

تخلص : اختر

ایوارڈ: اردو گگن سنستھا کی جانب سے ''اردو دوست'' ایوارڈ-۲۰۲۳ء

تعلیم : ایم ایس سی (انڈسٹریل کیمسٹری)

مصروفیت : تجارت

Prop. Shino Paints, MIDC Chikalthana, Spl. Heat Proof Coating & Water Proofing

رہائش : روبرو حمایت باغ، لکی آئس کریم، اورنگ آباد (مہاراشٹر) موبائل : 9822059723

محمد اختر خان (لالہ) کا شمار اورنگ آباد کی معزز ادبی ہستیوں میں ہوتا ہے۔ اردو و انگریزی ذریعۂ تعلیم سے علم کے حصول کے بعد ذاتی تجارت شروع کی اور اب Shino Paints نامی کمپنی کے مالک ہیں۔ اردو زبان و ادب سے اسکول کے زمانے سے ہی لگاؤ رہا۔ ہر سطح کے اردو کی ادبی محفلوں اور مشاعروں میں شرکت کرتے رہے ہیں۔ مشاعروں میں اپنا کلام اپنے مخصوص انداز میں پیش کرتے ہیں۔ شہر سے باہر بھی محفلوں کی رونق بنتے ہیں۔ آپ کی غزلیں مقامی روزناموں میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ آپ کی زیر ترتیب کتاب ''Safe Driving'' بہت جلد منظر عام پر آنے والی ہے جو اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں ترتیب دی جا رہی ہے۔ ☆

غزلیں

میں نہیں رہتا ہوں یارو کبھی گھر پر زیادہ
وقت گزرے ہے سدا میرا سفر پر زیادہ
میری نظروں کی توجہ ہے سراپا تیرا
صرف نظریں نہیں رہتی ہیں نظر پر زیادہ
گردشِ وقت کے تیور کی توجہ میں ہوں
بارِ غم اور بڑھا ہے مرے سر پر زیادہ
سچ کی راہوں پہ بہت کم ہی چلا کرتے ہیں
چلنے والے ہیں یہاں جھوٹی ڈگر پر زیادہ
کفِ افسوس ملا کرتے ہیں حاسد اختر
جب کبھی داد ملے مجھ کو ہنر پر زیادہ

☆

گردشِ حالات سے ڈرتا نہیں
میں کبھی دن رات سے ڈرتا نہیں
مشکلوں سے کھیلنے کا شوق ہے
اس لئے مہمات سے ڈرتا نہیں
میرے دل میں بس خدا کا خوف ہے
میں کسی کی ذات سے ڈرتا نہیں
جو بھی ہوگا آگے دیکھا جائے گا
اس لئے خطرات سے ڈرتا نہیں
ہوں بہت اختر سا روشن اس لئے
میں اندھیری رات سے ڈرتا نہیں

☆

خوشی اور غم کے پیمانے الگ ہیں
سبھی کے اپنے افسانے الگ ہیں
ہمیں یوں ہوشمندوں میں نہ گنئے
ہم اس دنیا کے دیوانے الگ ہیں
یہ مانا سب کو چاہت ہے اسی کی
مگر شمع کے پروانے الگ ہیں
کسی میں بھی جھلک ان کی نہیں ہے
وہ سب سے کیوں خدا جانے الگ ہیں
الگ اس گلبدن کا صحنِ گلشن
ہمارے دل کے ویرانے الگ ہیں
مقدر سے نظر میں اپنی اختر
خدا کا شکر بت خانے الگ ہیں

☆

فسانہ مختصر تھا اور کیا تھا
وہ مجھ سے بے خبر تھا اور کیا تھا
جبیں کو اور سے نسبت کہاں تھی
ترا ہی سنگ در تھا اور کیا تھا
یونہی پہنچا نہیں ہوں منزلوں تک
مرا عزمِ سفر تھا اور کیا تھا
میں دنیا سے کبھی ہارا نہیں ہوں
ترا ہی دل میں ڈر تھا اور کیا تھا
اُدھر سے تیرو نشتر ناز و نخرے
اِدھر خونِ جگر تھا اور کیا تھا
فلک پر جو نظر آیا ہے اختر
مرا حُسنِ نظر تھا اور کیا تھا

☆

جدائی کا بہانا چاہتا ہے
وہ مجھ سے دور جانا چاہتا ہے
شعورِ عشق جس کو ہم نے بخشا
وہی اب آزمانا چاہتا ہے
ہمیں پر ہی نہیں موقوف الفت
تمھیں سارا زمانہ چاہتا ہے
ہمیں سے رونق محفل ہے جس کی
وہی ہم کو اٹھانا چاہتا ہے
پرندہ اُڑتے اُڑتے تھک گیا ہے
سو اب اپنا ٹھکانہ چاہتا ہے
امیر شہر ظلمت کو مٹانے
مرا ہی گھر جلانا چاہتا ہے
لہو جس کو دیا ہے میں نے اختر
وہی مجھ کو مٹانا چاہتا ہے

☆☆☆

تعارف

نام : ڈاکٹر غزالہ پروین
پیدائش : 1970ء
موبائل : 9850782985

میٹرک مالیگاؤں ہائی اسکول سے پاس کیا۔ اس کے بعد جامعہ جامعتہ الصالحات سے پانچ سالہ ڈگری کی سند عربی زبان میں حاصل کی۔ عربی (ناگپور) اسلامک اسٹڈیز (حیدرآباد) انگریزی (اورنگ آباد) سے پوسٹ گریجویشن کیا۔ مولانا صدرالحسن ندوی مدنی کے زیر نگرانی پی ایچ ڈی مکمل کی۔ اسی سال نیٹ کا امتحان پاس کیا۔ غزالہ پروین تقریباً 23 سالوں سے ڈاکٹر رفیق زکریا کالج میں شعبۂ عربی سے منسلک ہیں۔ تنقیدی و تحقیقی مضامین پر مشتمل کتاب ''بازیافت'' کا اجراء حال ہی میں عمل میں آیا۔ نظموں اور افسانچوں پر مشتمل دو کتابیں زیر ترتیب ہیں۔ ☆

غزلیں

لٹانے دل و جان تیار ہیں ہم
ہمیں آزمالیں وفادار ہیں ہم
نہ عشقِ حقیقی نہ عشقِ مجازی
عجب کلفتوں میں گرفتار ہیں ہم
یہ رشتوں کا سودا یہ چاہت کا دھوکہ
ہے الزام ہم پہ خطاوار ہیں ہم
کہاں پھنس گئی پھر یہ دنیا ہماری
سنو خواہشو محو سنسار ہیں ہم
ہوئے آبلہ پا محبت میں تیری
وفا کر وفا کے سزاوار ہیں ہم
خرد والے کیونکر سمجھ پائیں اس کو
کہ اک بے خودی کے طلبگار ہیں ہم
چلو چھوڑ دیں اب یہ شکوے شکایت
کہ اُس پار تم ہو تو اِس پار ہیں ہم

☆

مری چاہت ہی شاید بے اثر ہے
نہ کوئی شاخِ گل ہے نہ ثمر ہے
تری آنکھوں کی وحشت نے سنایا
وہ قصہ جو لہو سے تربتر ہے
وہ ایسا سنگ دل کہ جان لے لے
کریں کیا بس وہی نورِ نظر ہے
سناؤں گی کسی دن قصۂ غم
اگرچہ داستاں یہ مختصر ہے
نہ جانے کیوں رکھا آندھی کی زد پر
وہ دل کہ ایک چراغِ رہگذر ہے
ہمارے دوستوں سے پوچھ لینا
کہاں اب خود ہمیں اپنی خبر ہے
وہ سنگ دل ہے مگر یہ جانتا ہے
محبت میں مروّت معتبر ہے

(آزاد نظمیں)

انتساب

مکتبۂ حیات میں
سارے تکلم
سارا نصاب
ساری کتابیں
نوشتے
صحف اور الواح
علوم و معارف
سب کے سب
منتسب ہیں
صرف تمہارے نام ......

☆

شبستاں

شبستاں تک تمہارے
جانے والی شاہراہیں
انجم و کواکب کی
گذرگاہیں سی لگتی ہیں
اور
ان گذرگاہوں میں بکھرے
یہ سنگ ریزے
مجھے لولو و مرجان لگتے ہیں

☆

رفاقت

چاند کی طرح
ہر پل
چلتے ہو تم ساتھ میرے
یوں تو آمدِ خورشید سے
چاند کہیں چھپ جاتا ہے
لیکن
مری چاہت کے مدار پر
تمہارا وجود
ہمیشہ گردش کرتا ہے
قبضِ زماں و مکاں کی زد سے
اور
فنا کے بھنور سے پرے
میں نے تمہاری ذات کو
یوں سمولیا ہے
کہ
اب دل کے اس چرخ پر
مری چاہت کو
نہ غروب ہے
نہ گہن ہے
اور نہ زوال ہے

☆

مقدر

تم بھی
یوسف کی طرح
صاف نکل جاؤ گے
اور عفیف کہلاؤ گے
میں زلیخا ہوں
اور رسوائی ہے ......
مقدر مرا

☆

صنم

دل کی دنیا ......
اداس ہے لوگو ......
بس اک صنم ہی تو ......
میں نے مانگا تھا ......
کتنی رسوائیاں ......
دے دیں تم نے ......

☆

منسوب

تم برگد کا گھنا
اک پیڑ ہو
میں ننھی سی ایک چڑیا
میرا نشیمن
اور دانہ پانی
سب تم سے ہے
منسوب

سجدہ

جرأت کی ساری حدوں کو
پار کر کے
آخر ...... وہ کہنے لگے
مقدس ہیں ...... سبھی دھرم میرے لئے
مگر میں نے سجدہ ......
صرف سائنس کو کیا ہے

☆☆☆

تعارف

پورانام:
محمد یونس ولد محمد برہان
قلمی نام : یونس فہمی
پیدائش : جولائی ۱۹۴۱ء
وطن : ناندیڑ
وفات : اگست ۲۰۲۰ء

یونس فہمی نے اردو میں پوسٹ گریجویشن کر کے ناندیڑ شہر کے معروف کالج پرتبھا نکیتن میں بحیثیت لیکچرر خدمات انجام دیں اور اسی کالج سے صدر شعبہ اردو کی حیثیت سے سبکدوش ہوئے۔ یونس فہمی کی شخصیت سازی میں ان کے استاد مولوی اخترالزماں ناصؔر کی محبتوں اور شفقتوں کا بھی حصہ رہا۔

☆

﴿ حمد ﴾

حاضر ہوں ترے گھر میں بصد شرم وندامت
پسپا ہیں یہاں عقل و خرد ، فہم و فراست
کعبے پہ نظر پڑتے ہی مدہوش ہوا میں
حیراں ہوں یہاں دیکھ کے یہ جوش حوالت
تو نے مجھے آواز دی میں آگیا یارب
بگڑے ہوئے بندوں پہ ہے یہ تیری عنایت
میں تو ہوں گنہگار و خطاکار و سیہ کار
تو وہ کہ گنہگاروں کی کرتا ہے اعانت
درماندہ مجہول تھا ناکارہ تھا گھر میں
پہنچا جو ترے گھر میں تو پائی نئی طاقت

☆

﴿ نعت ﴾

فکر کو نذرِ صداقت کیجئے
نعت کہنے کی جسارت کیجئے
کی ہدایت آپؐ نے کتنی عظیم
شکر کیجئے اور قناعت کیجئے
لطف و انعامات کے واسطے
اسوۂ حسنہ سے الفت کیجئے
آپ کے جوتوں کی فہمی گرد ہے
اپنا کہہ دیجئے ، عنایت کیجئے

☆

(نظم)

﴿ سویرا ﴾

آفاق کی چلمن سے سحر جھانک رہی ہے
یا اوٹ سے آنچل کی نظر جھانک رہی ہے
گلشن میں گہر باریٔ شبنم کا تسلسل
کیا دید کے لائق ہے شگوفوں کا تجمل
مستی میں جوانی کی بدن ٹوٹ رہے ہیں
دامانِ خرد ہاتھ سے اب چھوٹ رہے ہیں
زلفوں کی خنک چھاؤں میں او بیٹھنے والے
لے آئے کہاں تجھ کو ترے پاؤں کے چھالے
بے تاب نظر اُڑ کے ستاروں سے لڑی ہے
آغوشِ تمنا میں مسرت بھی پڑی ہے
بے باک ہوا اور نگاہوں کا تقاضہ
ہو تجھ کو مبارک یہ تمنا کا سویرا

☆

(نظم)

﴿ شاعر ﴾

خامۂ بے باک تیرا غیرتِ تیغ و سناں
تو دلِ فطرت کی دھڑکن ، تو محبت کی زباں
ہے ترے ہی دم سے روشن حسن کا روئے جواں
باعثِ تسکینِ خاطر عشق کی سرمستیاں
پھول سے الفت اگر ہے خار سے نفرت نہیں
جز محبت زندگانی کی کوئی قیمت نہیں
پاکیٔ باطن پہ تیری آئینے کو ناز ہے
طائرِ افکار پیہم مائلِ پرواز ہے
ترجمانِ وقت ہے تو ساز ہے ، آواز ہے
ڈھال ہے ، تلوار ہے ، غم خوار ہے ، دم ساز ہے
دل کی محفل میں فروزاں ہے چراغِ آرزو
علم و دانش کے ہیں تیرے ہاتھ میں جام وسبو
اک کتاب شعر پر مرقوم افسانے ہزار
جیسے گردِ شمع منڈلاتے ہیں پروانے ہزار
ہیں تصور میں ترے آباد مے خانے ہزار
ایک ساغر کو ترے تکتے ہیں پیمانے ہزار
تری ہستی باعث صد افتخارِ میکدہ
تو بہارِ میکدہ ہے تو بہارِ میکدہ

☆

(نظم)

﴿ امن وانسانیت کے نام ﴾

امن و صلح و آشتی ہیں ، ضابطے اسلام کے
ہیں بقائے باہمی کے راستے اسلام کے
کیوں ہوئے تھے غور کیجئے معرکے اسلام کے
حل طلب تھے قوم کے کچھ مسئلے اسلام کے
صلح کل جس کا مشن ہے ، اک نرالی شان ہے
اس جہاں میں ایک یہ تمثیل ہندوستان ہے
محسنؐ انسانیت نے آخری خطبہ دیا
احترامِ آدمیت کا سبق سکھلا دیا
نسلِ آدم کے لئے یہ قیمتی تحفہ دیا
رنگ ونسلی برتری کے فرق کو ٹھکرا دیا
کس قدر جامع ہے یہ خطبہ رسولؐ پاک کا
منصف و عادل ہوا شیدا رسولؐ پاک کا
مردوزن کے واسطے یکساں ہے قانونِ حیات
امتیاز وفرق سے بیٹی نے پائی ہے نجات
بیٹیوں کو دفن کرنے کی تھی رسمِ واہیات
بعثت سرکارؐ نے کی بنت حوا کی برأت
آج کا نعرہ ہے بیٹی کو پڑھاؤ دوستو
اس کی عفت اور عزت کو بچاؤ دوستو

تعارف

نام : پٹھان شاکرخان

ولدیت : پٹھان صابرخان

قلمی نام : شاکرخان شاکرؔ پرتوری

تخلص : شاکرؔ

پیدائش : ۵رجنوری ۱۹۹۱ء (پرتور)

موبائل : 8484949384

تعلیم : بی ایس سی، ڈی ایڈ، ایم اے

پیشہ : درس وتدریس

حال مقیم : پربھنی

متوطن : پرتور، ضلع جالنہ (مہاراشٹر)

مجموعۂ کلام : حسرتِ دل (زیرترتیب)

گزشتہ ۱۴ر سالوں سے شعر وسخن اور اردو ادب کی خدمت میں مصروف العمل ہیں۔ اصنافِ طبع آزمائی میں حمد، نعتیں، غزلیں ونظمیں شامل ہیں۔ نیز آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن آکاش وانی۔ اورنگ آباد، پربھنی ومنصف ٹی وی حیدرآباد سے کلام براڈ کاسٹ اور ٹیلی کاسٹ ہوچکا ہے۔ مختلف اخبارات اورنگ آباد ٹائمز، ایشیا ایکسپریس، منصف، اعتماد وادبی رسالہ ''عکسِ ادب'' وغیرہ میں کلام شائع ہوا ہے۔ ادبی نشستوں بشمول علاقائی وآل انڈیا مشاعروں میں اپنا کلام بطور شاعر پیش کرچکے ہیں۔ ☆

غزل

مجھ پہ اُس کی نظر ہوگئی
زندگانی گہر ہوگئی
ہوں تو اب بھی ترا میں مگر
''زندگی مختصر ہوگئی''
جب سے اردو میں کہنے لگا
گفتگو باثر ہوگئی
دل کی حسرت نکل جائے گی
اک ملاقات گر ہوگئی
ہے یہ ماں کی دعا کا اثر
زندگی ذی اثر ہو گئی
حسرتیں لے کے دل میں تری
عمر یو ہی بسر ہوگئی
زندگی میں جو تم مل گئی
زندگی معتبر ہوگئی
دور شاکرؔ ہوا تجھ سے کیا
زندگی دربدر ہوگئی

غزل

یہ دل کسی پہ آگیا تو کیا کریں
کوئی جو دل پہ چھا گیا تو کیا کریں
سکونِ دل چُرا گیا تو کیا کریں
کوئی جو دل کو بھا گیا تو کیا کریں
سمجھ سکا نہ جو ہمارے دل کا غم
یہ دل اُسی پہ آ گیا تو کیا کریں
رہا نہ ہوش اپنا بھی ہمیں تو اب
سرُور ایسا چھا گیا تو کیا کریں
بُھلانا چاہا خان نے اسے مگر
وہ پھر سے یاد آگیا تو کیا کریں

غزل

نفرتوں کو دور کرنا چاہتا ہوں
ظلمتوں میں نور کرنا چاہتا ہوں
ایسا اب دستور کرنا چاہتا ہوں
ہر سزا منظور کرنا چاہتا ہوں
تھا وطن میرا کبھی سونے کی چڑیا
اب میں کوہِ طور کرنا چاہتا ہوں
عدل ہو انصاف ہو امن و اماں
عشق میں بھرپور کرنا چاہتا ہوں
تلخیاں ماضی کی کر کے یاد شاکرؔ
زخم سب ناسور کرنا چاہتا ہوں

غزل

غمِ ہجر سے جب سنورنے لگا دل
تو ملنے کی خواہش سے ڈرنے لگا دل
نظارے تبسّم کے روٹھے جو ہم سے
غموں کی فضا میں بکھرنے لگا دل
مرے دل میں دھڑکن تو بن کر سماجا
''دھڑکنے سے مطلق مکرنے لگا دل''
بسا دل میں جب سے حسیں ایک چہرا
کسی کا تصوّر نہ کرنے لگا دل
وفا کا صلہ جب ملا بے وفائی
تو لفظِ وفا سے بھی ڈرنے لگا دل
جو خاموش رہ کر بھی کہتے ہیں سب کچھ
اسی پر تو شاکرؔ کا مرنے لگا دل

غزل

آرزو مختصر کیا مَیں نے
مل گیا جو گذر کیا میں نے
یاد اپنے گناہ جب آئے
رو کے دامن کو تر کیا میں نے
کوئی دیتا رہا دعا پیہم
اور ہر جنگ سر کیا میں نے
جب بھی فرقت میں اس کی یاد آئی
دل جلا کر سحر کیا میں نے
ان کے دیدار کی تڑپ لے کر
زندگی دربدر کیا میں نے
کیوں دعا ہو قبول شاکرؔ کی
غیر پر جب نظر کیا مَیں نے

☆☆☆

تعارف

نام : عائشہ فردوسؔ خان
شوہر کا نام : ڈاکٹر ظفر صدیقی
ولدیت : عبدالخالق خان کشمیری
موبائل : 8999925911
تاریخ پیدائش : ۱۵/اپریل ۱۹۸۱ء
جائے پیدائش : لونار
سکونت : جالنہ (مہاراشٹر)
تعلیم : ایم اے (اردو) ایم اے (انگلش)، ڈی ایڈ، ڈی ایم ایل ٹی
طبع آزمائی : غزل، قطعہ، ناول، (علمِ عروض محترم استاد راشدؔ علی مرکھیانی سے سیکھا)
شعری مجموعہ : غنچۂ آب (غیر مطبوعہ)
ناولٹ : موتی کی آب، خاک کے پتلے، تیرا عکس ہے
افسانے: اسی رہگذر پر چاند کی، دل کے موڑ پر، موسم ملن کا

غزلیں

ہے تخت و تاج پایا الفت نہیں ہے پائی
افسوس ہے دلوں پر قدرت نہیں ہے پائی
ہوکر طلوع ہے ان کو لازم غروب ہونا
شمس و قمر سی ہم نے فطرت نہیں ہے پائی
بے آبرو بھی ہوں گی بے پردگی کے باعث
بہنوں کے بھائی نے گر غیرت نہیں ہے پائی
دعوے ہیں کھوکھلے سب قول و عمل سے خالی
امّت بنے نبیؐ کی سیرت نہیں ہے پائی
منکر نوازشوں کے امید کیوں تجھے اب
تھا من و سلویٰ جس دم لذّت نہیں ہے پائی
اے قوم کے جواں سن تجھ میں ہے آگ لیکن
روشن جہاں ہو ایسی حدّت نہیں ہے پائی
فردوسؔ زندگی سے کس وقت کرتے شکوہ
خود کے لئے کبھی بھی فرصت نہیں ہے پائی

☆

گذرتی رات کے ہمراہ بڑھتی جاتی ہے
تری ہی طرح تری یاد بھی ستاتی ہے
قرار چھینتی ہے دھڑکنیں بڑھاتی ہے
ہنسی لبوں کی ترے ہوش جب اڑاتی ہے
بڑے عزیز تھے جو سانپ آستیں میں تھے
ڈسے مقام سے اب تک بھی خوشبو آتی ہے
سنبھال رکھا تھا جس غم کو جان کے اندر
اسی سے مل کے ہمیں جان چھوڑ جاتی ہے
سکون ملتا ہے اب زخم کے کھرچنے سے
ترا ہے تحفہ مگر درد میرا ذاتی ہے
کبھی تو سوچ کبھی کر نظر گناہوں پر
سنا ہے قبر منافق کی بھر نہ پاتی ہے
یقین کرنے میں فردوسؔ جلدی مت کرنا
نقاب چہرے پہ دنیا کئی لگاتی ہے

☆

کعبے سے لوٹ کر بھی تیور وہی رہے
ظاہر لباس بدلے اندر وہی رہے
شامِ فراق لائی یادوں کا قافلہ تھی
پھر وصل کے سہانے منظر وہی رہے
کچھ مخلصوں سے ہم کو اتنا گلہ رہا
ہمدم کی گفتگو میں اکثر وہی رہے
زہرہؓ کو عائشہؓ کو پردہ عزیز تھا
حوّا کی بیٹی تیرا زیور وہی رہے
قاتل مرے عزیزوں کی آستیں سے لا
منظور موت لیکن خنجر وہی رہے
حیرت ہے آج کل کے دورِ جدید پر
ساقی بھلے ہی بدلے ساغر وہی رہے
فردوسؔ ہے حقیقت تاریخ بھی گواہ
بدلا زمانہ سارا شاعر وہی رہے

☆

کثرتِ عیش سے جو پاؤں پھسل جاتے ہیں
گردشِ وقت کی ٹھوکر میں سنبھل جاتے ہیں
کھول درویشوں کی گٹھڑی ہو عیاں آخر کو
لعل و گوہر بھی یوں کچرے میں بدل جاتے ہیں
گھاؤ دل پر ہی نہیں روح بھی زخمی سی لگے
باتوں باتوں میں یہ جو آنسو نکل جاتے ہیں
قوم زندہ ہو جو مصعبؓ سا ہو اندازِ بیاں
ضرب کاری ہو تو پتھر بھی پگھل جاتے ہیں
چھوڑ فردوسؔ کی خواہش وہ ہے محوِ دنیا
اور ہم ہیں کہ اُسے پانے مچل جاتے ہیں

☆

بڑی کشمکش میں ہوں میں کبھی یاں کبھی وہاں سے
مجھے آشکار کردے کسی تیسرے جہاں سے
پڑا چاہ میں ہوں تنہا تو دے آہ میں اثر یوں
کوئی قافلہ ہی گذرے کبھی مصر کا یہاں سے
مٹے تشنگی نہ اب تو کئے جا رہے ہو کیوں ہاں
سفر ہے یہ آخری اب رکے کیوں کسی کی ہاں سے
تری آہ و زاریاں بھی کبھی رنگ لائے گی دل
تجھے درد دینے والے دغا پائیں گے جہاں سے

☆

قطعہ

خبر اوزان کی تھی نا زباں آتی تھی آہوں کو
سخن کے حسن کا کاجل پتہ تھا کیا نگاہوں کو
نہ ترشے تھے نہ نکھرے تھے پڑے پتھر خیالوں کے
مرے استاد راشدؔ نے کیا ہموار راہوں کو

☆☆☆

تعارف

اسمِ من: شیخ رئیس
ولد : شیخ اسماعیل
تخلص : عاؔجز
موبائل : 8793883550
پیشہ: مددگار معلم (ڈاکٹر ذاکر حسین پرائمری اسکول پرتور)
متوطن : پرتور، ضلع جالنہ (مہاراشٹر)

رئیس عاؔجز پرتوری نے پرتور میں اسماعیل صاحب کے گھر جنم لیا۔ رئیس عاؔجز پرتوری کو تعلیم کے ابتدائی دور سے شعروشاعری سے دلچسپی رہی۔ دھیرے دھیرے یہ سلسلہ عروج تک پہنچا۔ مراٹھواڑہ کے مختلف اخبارات و رسائل میں حمد نعت کے علاوہ غزلیں اور نظمیں بھی شائع ہوتی رہی ہیں۔ کئی بار آل انڈیا ریڈیو آکاشوانی اورنگ آباد و پربھنی سے رئیس کا کلام نشر ہوکر باذوق سامعین کی سماعتوں کا حصہ بنا ہے۔ معروف عالمی چینل منصف ٹی وی پر بھی کلام ٹیلی کاسٹ ہو چکا ہے۔ مختلف مقامات پر ادبی نشستوں نیز مشاعروں میں شرکت کا سلسلہ عرصہ دراز سے جاری ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی موصوف کا شعری مجموعہ بھی منظرِ عام پر آئے گا۔

غزلیں

(۱)

فن ریا کا کبھی ہم کو آیا نہیں
داغ دامن پہ ایسا لگایا نہیں

وقت نے بھر دیئے زخمِ خنجر سبھی
وار لیکن زباں کا مٹایا نہیں

خستہ چھپر میں ہی زندگی کٹ گئی
حرفِ شکوہ مگر لب پہ لایا نہیں

اشکِ غم مثلِ خوں آنکھ میں جم گئے
مسکراتے رہے پر دکھایا نہیں

ہے خطا ان کی ہم کو سمجھ نا سکے
جرم اپنا بھی ہے جو بتایا نہیں

اپنی بخشش کا طالب ہے عاؔجز مگر
سر کو حق کے مطابق جھکایا نہیں

☆

(۲)

مشکلوں میں بھی تم مسکراتے چلو
درد و غم دل میں اپنے سماتے چلو

کوئی بے عیب ہوتا کہاں ہے یہاں
عیب آئے نظر تو چھپاتے چلو

کیا خبر موت کب کس کو آجائے گی
بغض کینہ حسد سب بھلاتے چلو

سائباں نہ سہی کام وہ آئیں گے
پیڑ پودے شجر بس لگاتے چلو

ہار کے بعد اک جیت بھی آئے گی
بس قدم اپنے عاؔجز بڑھاتے چلو

☆

(۳)

کسی دن بند ہوگی یہ کتاب آہستہ آہستہ
بنے گا خاک تیرا بھی شباب آہستہ آہستہ

فقط جھوٹے یہ وعدے ہیں محبت کرنے والوں کے
بھلا دیں گے تمھیں بھی سب جناب آہستہ آہستہ

بڑی تھی دھوم جن کی ہر جگہ پر پارسائی کی
ہٹے ان کے بھی چہروں سے نقاب آہستہ آہستہ

نہ تھا ہم کو کبھی کوئی بھی ایسا شوق لیکن اب
ہمیں بھی چڑھنے لگتی ہے شراب آہستہ آہستہ

حسیں کتنا لگے ہے چاند تجھ سے بھی صنم میرا
جو سرکا اس کے چہرے سے حجاب آہستہ آہستہ

یہ حق ماں باپ کا ہے جب بھی عاؔجز بات ہو کرنا
خطاب آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

☆

(۴)

چار پیسے وہ کیا کمانے لگے
آنکھ ماں باپ کو دکھانے لگے

غیر تو چپ رہے تباہی پر
میرے اپنے ہی مسکرانے لگے

ہم نے پوچھا تھا پیار ہے کہ نہیں
دانت میں انگلی وہ دبانے لگے

واسطہ کوئی بھی دھرم سے نہیں
نام پر اُس کے خوں بہانے لگے

جن کو ہم نے سکھایا تھا عاؔجز
لوگ اب وہ ہمیں سکھانے لگے

تعارف

نام : **میمونہ تحسینؔ**

ولدیت : محمد اسماعیل

موبائل : 8208135571

تخلص : تحسینؔ

تاریخ پیدائش : 02/09/1986

پیدائشی مقام : ناندیڑ

ابتدائی تعلیم : مدینۃ العلوم اسکول دیگلور ناکہ ناندیڑ

اعلیٰ تعلیم : ایم اے (اردو)، ڈی ایڈ، سیٹ ۲۰۱۹ء، ایم فل (ڈاکٹر بامو یونیورسٹی۔ ۲۰۲۱ء)، بیچلر آف لائبریری اینڈ انفارمیشن سائنس (ایس آر ٹی یونیورسٹی، ناندیڑ۔۲۰۱۸ء)

ریسرچ اسکالر : ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر مراٹھواڑہ یونیورسٹی اورنگ آباد (مہاراشٹر)

پیشہ : درس و تدریس

ادبی ذوق : شاعری اور مضامین لکھنا۔

پتہ : گھر نمبر 692-6-9، نزد قبا مسجد، دیگلور ناکہ، ناندیڑ (مہاراشٹر)

غزلیں

سخاوت گر کہانی مانگتی ہے
محبت بھی نشانی مانگتی ہے
ہماری آنکھ کو یہ کیا ہوا اب
تعجب ، ناگہانی مانگتی ہے
تمہارے ہجر کی دولت یقیناً
مری آنکھوں سے پانی مانگتی ہے
ابھی قربت میں وہ جذبے نہیں ہیں
ندی تھوڑی روانی مانگتی ہے
اٹھا کر ہاتھ دونوں اپنے رب سے
تری قربت دِوانی مانگتی ہے
عجب تحسینؔ تیری زندگانی
تلاطم اور جوانی مانگتی ہے

☆

الجھے رستے پہ چل پڑے اب تو
الجھی باتوں پہ جل پڑے اب تو
پھول کانٹوں سے خود الجھ بیٹھے
بیتی یادوں پہ پل پڑے اب تو
نام روشن ہوا ہمارا جب
ان کے ماتھے پہ بل پڑے اب تو
تم کو بھی راستہ نہیں معلوم
ہم بھی کانٹوں پہ چل پڑے اب تو
فاصلے دیکھتے ہی رہنا تم
کرکے ہم کام چل پڑے اب تو
کتنے اچھے مزاج ہیں سب کے
سارے کس بل نکل پڑے اب تو
میری تحسینؔ سن کے ساتھی بھی
اپنے ہاتھوں کو مل پڑے اب تو

☆

اگرچہ کوئی بھی ساحل نہیں تھا
مگر دریا بھی تو حاصل نہیں تھا
کہاں ہے اُس کی وہ دہلیز جس پر
ٹھہرنے کے کوئی قابل نہیں تھا
وہ کرتے ہیں بحث اِس بات پر ہی
وہ موضوع جو کبھی حائل نہیں تھا
یہی وہ روشنی ہے جس کی خاطر
سفر کرنے پہ وہ مائل نہیں تھا
وہ اس محفل میں بھی پہنچا نہیں ہے
جہاں اُس کا گذر مشکل نہیں تھا
وہ کیسے راہ سیدھی اپنی چلتا
سفر کرنے کو اس کا دل نہیں تھا
نہ جانے اشک کتنے ہیں یہ دل میں
جنھیں چننے کا وہ قائل نہیں تھا
میں تصویروں میں کیسے رنگ بھر دوں
مجھے تحسینؔ رنگ حاصل نہیں تھا

☆

افسوس یہ کہ تو کبھی مجھ سے ملا نہیں
لیکن کسی بھی پل میں تو مجھ سے جدا نہیں
سارے حسیں نظاروں سے میں پوچھتی رہی
لیکن تیرا پتہ تو کسی نے کہا نہیں
ہیں کون میرے قتل کا مقصد لئے ہوئے
میرے گماں میں جن سے میرا واسطہ نہیں
خاموشیوں نے چپکے سے کچھ کہہ تو دیا تھا
میرا قصور یہ ہے کہ میں نے سنا نہیں
تحسینؔ تو بھٹکتی نہ گمنامیوں میں یوں
بس یہ ہوا کہ رابطہ تجھ سے ہوا نہیں

(نظم)

گلدم

میں نے گلدم سے پوچھا
تو تو اتنی کالی ہے
کالی ہے تو کالی ہے
پر دُم کیوں نرالی ہے
بولی مجھ سے اترا کر
اِٹھلا کر اور چہچہا کر
اوپر سے میں کالی ہوں
کالی ہوں میں کالی ہوں
لیکن تم انسانوں سے
لاکھ گنا میں اچھی ہوں
میں نے پوچھا وہ کیسے؟
بولی مجھ سے آہستہ
اوپر سے میں کالی ہوں
پر دل سے تو اچھی ہوں
اِسی لئے قدرت نے مجھے
لال نشانی دے دی ہے
گویا کالے صحرا میں
لال پھول کی ڈالی ہوں

☆☆☆

تعارف

نام : چشتی سلیم عرف انور

والد : غلام محمد خان چشتی (مرحوم)

تخلص : بیدردؔ

تاریخ پیدائش : ۲؍اگست ۱۹۵۵ء

مقام پیدائش : سیلو(ضلع پربھنی)

تعلیم : ایم کام (پوسٹ گریجویشن)

پیشہ : ریٹائرڈ ڈرافٹ مین

تصانیف : (۱) دردِ بیدردؔ (شعری مجموعہ) ۲۰۰۹ء

(۲) چشمِ بیدرد (شعری مجموعہ) ۲۰۲۲ء

مختلف اخبارات و رسائل میں اردو، مراٹھی و ہندی کلام شائع ہوا۔

چشتی سلیم بیدردؔ کو متعدد ایوارڈس ملے۔ جس میں سابقہ وزیر اعلیٰ ولاس راؤجی دیشمکھ کے ہاتھوں توصیف نامہ اور ٹرافی بھی شامل ہے۔

پتہ : چشتی سلیم بیدردؔ، کیئر آف صدف ہاسپٹل،
دھار روڈ، پربھنی
موبائیل: 9970414056

غزلیں

دلوں میں ہر اک کے نورِ ایماں جگائے رکھنا کمال یہ ہے
کہ دشمنوں کو بھی یار اپنا بنائے رکھنا کمال یہ ہے
جہاں میں نسواں پہ ہر طرف سے جو ہو رہے ہیں ہزار حملے
سو ایسی حالت میں اپنی عزت بچائے رکھنا کمال یہ ہے
نہ ایک موقع بھی جس نے چھوڑا تباہ کرنے کا تم کو یارو
سو ایسے دشمن کے راز دل میں چھپائے رکھنا کمال یہ ہے
ہمارے دشمن تمہارے دشمن ہیں دین اسلام کے جو دشمن
دلوں میں ان کے بھی شمع الفت جلائے رکھنا کمال یہ ہے
غموں کی ہوتی رہی ہے بارش دکھوں کے ٹوٹے پہاڑ پھر بھی
لبوں پہ ہر دم ہی مسکراہٹ سجائے رکھنا کمال یہ ہے
ہزاروں دشمن تھے سامنے پر کسی کے پیچھے ہٹے نہ پاؤں
کہ جنگ کے میداں میں پاؤں اپنے جمائے رکھنا کمال یہ ہے
تھی پاس دولت تھی پاس شہرت مگر نہ آیا کبھی تکبر
حشر کے میداں میں نیکیاں ہی بچائے رکھنا کمال یہ ہے
قدم قدم پر جو بے وفا نے اڑایا کیچڑ اچھالی پگڑی
کہ ایسے دشمن کو بھی جگر میں بسائے رکھنا کمال یہ ہے
یتیم و بیوہ و بیکسوں کے غموں سے چہرے اداس جو ہیں
تو ایسے چہروں پہ مسکراہٹ کھلائے رکھنا کمال یہ ہے
کھڑا ہو دشمن سرہانے آکر ہو ننگی تلوار پھر بھی بیدردؔ
خدا کے آگے ہی سر کو اپنے جھکائے رکھنا کمال یہ ہے

☆

گلشن کے باغباں پہ کیسے یقیں کریں
اس بیہودہ جہان پہ کیسے یقیں کریں
ہیں جس میں قید بیٹیوں کی آہ اور فغاں
اس محلِ عالیشان پہ کیسے یقیں کریں
مسلم منافرت میں ہی چلتی ہے جو زباں
اس بھکت بدزبان پہ کیسے یقیں کریں
کہتے ہیں سب کا ساتھ اور سب کا وکاس ہے
کاغذ کے سائبان پہ کیسے یقیں کریں
پہنچے ہیں آپ چاند پہ غربت جہاں کی ہے
بے ایماں صاحبان پہ کیسے یقیں کریں
کیسے خوش آمدید کہیں سال نو کو ہم
اس وقتِ شادمان پہ کیسے یقیں کریں
بحر و وزن میں کچھ بھی نہیں ٹھیک ہے بیدردؔ
شہرت کی اس اڑان پہ کیسے یقیں کریں

☆

نہ جانے خواب میں میرے وہ کیونکر آتے ہیں
مرے گناہ مجھے رات بھر ستاتے ہیں
کسی نے چھین لی ہے نیند میری راتوں کی
کئی عجیب سے چہرے مجھے بلاتے ہیں
میں اپنے آپ کو اچھا بہت سمجھتا ہوں
میرے خیال مجھے آئینہ دکھاتے ہیں
میری گفتار کا گرویدہ یہ زمانہ ہے
میرے اشعار بھی دل میں اُتر جاتے ہیں
بزرگی آئی پر یہ دل ہے کہ مانے ہی نہیں
میرے خیال امنگیں نئی جگاتے ہیں
اندھیرا ہوتا ہے جن کے بھی نیچے اے بیدردؔ
گھروں میں اوروں کے وہ ہی دیے جلاتے ہیں

سمجھتے ہیں مجھے

پھول کی طرح ہوں وہ خار سمجھتے ہیں مجھے
میرے احباب گنہگار سمجھتے ہیں مجھے
دیکھ کر داڑھی و لباس کو جانے کیونکر
میرے اپنے ہی یاں غدار سمجھتے ہیں مجھے
بول بچن اور پھینکنا میری عادت ہے
میں ہوں پردان اداکار سمجھتے ہیں مجھے
میں نے ہر چیز بیچ دی ہے میرے یاروں کو
بھکت پھر بھی کہ وفادار سمجھتے ہیں مجھے
میں زمیں جائیداد چھین رہا ہوں اُن کی
اور وہ ہیں کہ مددگار سمجھتے ہیں مجھے
من کی باتوں میں بہت جلد میری آتے ہیں
چور جتنے بھی ہیں سردار سمجھتے ہیں مجھے
گھڑا بھرا ہی نہیں پاپ کا ابھی میرے
آپ کیوں موت کا حقدار سمجھتے ہیں مجھے
ڈھل گئی عمر مگر میری شرارت نہ گئی
لوگ ناداں ہیں سمجھ دار سمجھتے ہیں مجھے
میں ہوں مالک مکان اور زمیندار بھی ہوں
میرے دشمن کرایہ دار سمجھتے ہیں مجھے
کوئی ٹیگور سمجھتا ہے تو کوئی بیدردؔ
آسارام باپو کا اوتار سمجھتے ہیں

☆☆☆

ISSN 2320-6519

تعارف

نام : سید طاہر

قلمی نام : طاہرؔ حسین طاہرؔ

تخلص : طاہرؔ

والد : قاری سید یوسف

پیدائش : ۴؍جون ۱۹۷۸ء ضلع ناندیڑ مہاراشٹر

تعلیم : بارہویں پاس

ادبی خدمات : ہندوستان کے مختلف اخبارات و رسائل میں برسوں سے مسلسل کلام کی اشاعت، آل انڈیا ریڈیو پر کلام کی اشاعت

خصوصی قابلیت : علم عروض میں مہارت

ایوارڈ : عکس ادب سہ ماہی کی جانب سے ''عتیق احمد عتیق'' ایوارڈ برائے ۲۰۱۳ء

غزلیات

ہجوم میں بھی اکیلا ہے کیا کیا جائے
کہ حال دل کا عجب سا ہے کیا کیا جائے
نہیں ہے آس پھر دور تک اجالوں کی
ہر ایک سمت اندھیرا ہے کیا کیا جائے
بلا کی تشنہ لبی ہے مگر میرے اطراف
سلگتا ریت کا دریا ہے کیا کیا جائے
میں مانتا ہوں ہمیشہ خلاف رہتا ہے
مگر وہ شخص تو اپنا ہے کیا کیا جائے
میں اُس کے واسطے اپنی انا کو ٹھکرا دوں
عجیب اُس کا تقاضا ہے کیا کیا جائے
ہجوم لے کے جو پھرتا تھا ساتھ کل اپنے
وہ آج شہر میں تنہا ہے کیا کیا جائے
جسے منانے میں ایک عمر کٹ گئی طاہرؔ
وہ پھر سے روٹھ کے بیٹھا ہے کیا کیا جائے

☆

فسوں کے وار سے ڈر جائے گا سمجھتا ہے
فرعونِ وقت مجھے بے عصا سمجھتا ہے
وہ عیب جو ہے مگر آئینہ سمجھتا ہے
عجیب شخص ہے خود کو خدا سمجھتا ہے
فروغِ عقل سے محروم ہے ابھی شاید
وہ دل کے خون کو رنگ حنا سمجھتا ہے
نہیں ہے غم کوئی جو وہ نہیں سمجھ پایا
خدا ہمارا ہر اک مدعا سمجھتا ہے
کئی گناہوں کا اُس پر ہے بوجھ اے طاہرؔ
وہ پھر بھی خود کو بڑا پارسا سمجھتا ہے

☆

ہنستا رہا وہ دور کھڑا دیکھتا ہوا
جب بھی ہمارا غم سے کبھی سامنا ہوا
پھر آج اُس نے برقِ تپاں کو بلا لیا
دیکھا گیا نہ اُس سے مرا گھر بنا ہوا
جب بھی ملا وہ دوست ہی بن کر مجھے ملا
اک شخص میرے دشمنِ جاں سے ملا ہوا
تم اپنی سادگی کو کہاں لے کے جاؤ گے
ہر سمت ہے فریب کا میلہ لگا ہوا
اب بے حسوں کے ہاتھ میں ہے نظمِ گلستاں
احساس کا پرندہ ہے زخمی پڑا ہوا
خودداریوں پہ کرنے لگا وہ بھی تبصرہ
جس شخص کا ضمیر ہے طاہرؔ بکا ہوا

☆

مجبوریوں میں ایسا بھی کرنا پڑا مجھے
اپنے پروں کو خود ہی کترنا پڑا مجھے
دو دن کی رسم و راہ نبھانے کے واسطے
اپنی انا کا قتل بھی کرنا پڑا مجھے
موجوں سے کھیلنے میں کہاں لطف زندگی
گہرے سمندروں میں اترنا پڑا مجھے
دو روزہ آشیانے کے تنکے سمیٹنے
گلشن میں بار بار بکھرنا پڑا مجھے
طاہرؔ ہجوم لے کے تقاضوں کا رات دن
سنسان راستوں سے گزرنا پڑا مجھے

☆

رباعیات

افلاک زمیں چاند ستارے تیرے
دنیا کے حسیں سارے نظارے تیرے
قادر ہے ہر ایک چیز پر تو ہی مولیٰ
چلتی ہے ہر ایک چیز اشارے تیرے

☆

احساس کے کمرے میں ہوا رہنے دو
سینے میں کوئی درد چھپا رہنے دو
طوفان اٹھے گا تو تباہی ہوگی
جذبات کے دریا کو تھما رہنے دو

☆

دنیا میں ہر ایک شئے کو فنا ہے بھائی
کس بات کا پھر تجھ کو نشہ ہے بھائی
اچھائی کا بدلہ بھی ہے اچھا طاہرؔ
انجام برائی کا برا ہے بھائی

☆

ماہیے

بدنام پڑوسی کی
آہ کے اثر سے
دیوار گری ہوئی

☆

پیاس کی شدت سے
آگ لگی ہوگی
صحرا میں حرارت سے

پھولوں سے نہ کانٹوں سے
سرخ چمن ہوگا
مالی کے تقاضوں سے

☆

پہچان بدلتی ہے
موت کے سایہ میں
جب عمر یہ ڈھلتی ہے

☆☆☆

تعارف

نام : خواجہ منیرالدین
تخلص : درد/منیر
پیدائش : ۱۴/اپریل ۱۹۴۹ء
والد : محمد نصیرالدین (سابقہ ڈپٹی اکاؤنٹنٹ ناندیڑ)
تعلیم : ایم کام، ایم اے (اردو)، فاضل دینیات (اردو) دیوبند
پیشہ : موظف کاسٹ اکاؤنٹنٹ آیورویدک اینڈ یونانی فارمیسی، ناندیڑ

ادبی ذوق طالب علمی کے دور سے ہے۔ اردو ادب کے لگاؤ نے اس ذوق کو جلا بخشی۔ شعبۂ کامرس کے طالب علم رہنے کے باوجود کالج میگزین کے اردو سیکشن کے دو مرتبہ ایڈیٹر رہے۔ ابتداء ہی سے آزاد نثری نظموں کی طرف راغب رہے۔ ۱۹۷۲ء سے ملک کے معتبر ادبی رسائل، جرائد اور اخبارات کے ادبی صفحات میں تواتر کے ساتھ موصوف کی ادبی کاوشیں شائع ہو رہی ہیں۔ افسانچے، تبصرے، نظموں کے ساتھ ساتھ غزلوں پر بھی طبع آزمائی جاری ہے۔ ڈیڑھ سو سے زائد تخلیقات چھپ چکی ہیں۔ ایک شعری اور ایک نثری مجموعہ منتظر اشاعت ہے۔ ۲۰۰۷ء میں حسن خدمت سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔

پتہ : بیت الامن، خسرو نگر، چونا بھٹی، دیگلور ناکہ، ناندیڑ
موبائل : 9096802243

غزلیں

لبوں سے جام پینا چاہتا ہوں
میں کچھ دن اور جینا چاہتا ہوں
نہ سیم و زر نہ دنیا کی تمنا
محبت کا خزینہ چاہتا ہوں
اے ساقی بس یہی خواہش ہے میری
تری آنکھوں سے پینا چاہتا ہوں
جہاں سے ہم بچھڑ جائیں عزیزو
میں وہ رستہ کبھی نا چاہتا ہوں
منیؔر ہو جو محبت کا ٹھکانہ
اُسی بستی میں جینا چاہتا ہوں

☆

لگائی آگ جو تو نے اُسی میں جلتا ہوں
ترے دکھوں کے سہارے ہی میں بھی پلتا ہوں
وسیع ہے آج بھی سانسوں میں آس ملنے کی
دھڑکتے دل میں حسیں راز لے کے پلتا ہوں
وہ حادثے بھی چلے جاتے مجھ سے کترا کر
دعائیں ماں کی جو ہمراہ لے کے چلتا ہوں
ٹھکانہ ہوگا کبھی اپنا ایک منزل پر
اِسی امید پہ رستے نہ میں بدلتا ہوں
سلامتی کی دعائیں منیؔر ہیں حاصل
اِسی یقین سے تو گھر سے میں نکلتا ہوں

☆

زخمِ دل تم کو بتاؤں کیسے
راز دنیا سے چھپاؤں کیسے
اشک پی لیتا ہوں چپکے چپکے
بھیگی پلکوں پہ سجاؤں کیسے
پہرہ دیتے ہیں زمانے والے
تجھ سے ملنے کو میں آؤں کیسے
بات حق کی تمھیں منظور نہیں
زہر یہ تم کو پلاؤں کیسے
مجھ پہ ہوتے رہے ستم جو منیؔر
رسمِ الفت میں نبھاؤں کیسے

☆

نثری نظم

بچے پردیس جانے کے بعد
لگتا ہے جیسے گھر میں
خاموشی کے سائے اتر آئے
اب تو یہ حال ہے ہمارا
گھر کی ملکہ
گھر گرہستی چھوڑ کر، سب سے منہ موڑ کر
جوڑ لیتی ہے ناطہ اپنا ...... موبائل سے ......!
بچوں کی ماں کے ہاتھ سے
موبائل ہے کہ چھوٹتا ہی نہیں
کہیں ایسا نہ ہو کہ
کھو نہ دے وہ اپنے بچوں کو ......!!
وقفے وقفے سے موبائل پر
بچوں کی ...... ماں
آنکھ مچولی کا کھیل
اکیلے ہی کھیل لیتی ہے ...... !!
(ماخوذ نثری نظم ''تارے، چھوڑ گئے نظارے'')

(نثری نظم)

بچے آئے جب گھر اپنے
قد سے بڑے بچوں کو
بہلا پھسلا کر ننھے بچوں کی طرح
اپنے ہاتھوں سے نوالے بنا بنا کر کھلاتی ہے
گھر ہی کو کیا خود بھی بھول جاتی ہے اکثر
یہ چاہتوں کا قرب ......
یہ محبتوں کی طلب ....
یہ تنہائیوں کا کرب ....
ہے سب پر جو بھاری .... !!
بچے کیا دیکھ پائیں، بچے کیا سمجھ پائیں
اے مالکِ دو جہاں ترا لاکھ لاکھ شکر
ہم نے سمجھوتہ کر لیا وقت کے ساتھ
سجدہ ریز ہو جاتے ہیں ترے حضور
ہمارے گلستاں کو سرسبز و شاداب و آباد رکھ
زمانے کی ہر نظرِ بد سے بچائے رکھ
(''شکوہ نہ کوئی شکایت!'' سے ماخوذ)

☆☆☆

تعارف

نام: ڈاکٹر سلیم محی الدین
تخلص: سلیم

تاریخ پیدائش: ۲۳؍فروری ۱۹۶۳ء

تعلیم: ایم اے (اردو)، پی ایچ ڈی

شعری مجموعہ: وابستہ (اشاعت اول ۱۹۹۸ء)

پیشہ: درس وتدریس

ڈاکٹر سلیم محی الدین، جدید نسل کے نمائندہ شاعر ہیں نثر و نظم دونوں پر انھیں عبور حاصل ہے۔ متعدد قومی و بین الاقوامی سمیناروں میں اپنے مقالے پیش کر چکے ہیں۔ برسوں سے شاعری کر رہے ہیں۔ کل ہند سطح پر مشاعرے پڑھ رہے ہیں اور متعدد ادبی رسائل و اخبارات میں ان کا کلام شائع ہو رہا ہے۔

غزلیں

کشتیوں کے سفر سے ڈرتے ہیں
ہم جزیروں میں جیتے مرتے ہیں
آسماں کی خبر نہیں رکھتے
ہاں زمینیں شمار کرتے ہیں
عکس نیلام کر چکی دنیا
آئینے بے سبب سنورتے ہیں
اُڑ گئیں سب خیال کی پریاں
کچھ پرندے مگر اترتے ہیں
جھیل کے دائروں سے بادل تک
عکس مٹتے نہیں ابھرتے ہیں
درد کھلتا نہیں ہے شاخوں پر
دل کے موتی مگر بکھرتے ہیں

☆

یوں ہی میلا ضمیر مت کرنا
ہم سے سیکھو مخالفت کرنا
یوں مواقع ہزار آتے ہیں
اپنے جذبات کی بچت کرنا
آئینوں سے الجھ الجھ پڑنا
سایہ سایہ مصالحت کرنا
ہم بھی سینے میں آگ رکھتے ہیں
کوئی رشتہ کپاس مت کرنا
ہر سہارا یتیم لگتا ہے
کوئی آساں نہیں ہے چھت کرنا
بولتا ہو جو لفظ سلیم
کیا ضروری ہے دستخط کرنا

☆

اور تو کیا ہے پہلو میں
درد بسا ہے پہلو میں
مجھ میں تھا جو روشن راز
بجھ سا گیا ہے پہلو میں
گم سم گم سم چپ چپ سا
کون کھڑا ہے پہلو میں
سر پہ حکومت بندوں کی
ایک خدا ہے پہلو میں
پاگل دنیا کہتی ہے
دل ہوتا ہے پہلو میں
دین کا ہے نہ دنیا کا
ایسا کیا ہے پہلو میں
تیرے نام دھڑکتا ہے
اپنا کیا ہے پہلو میں

☆

چہرے پہ مسکان سجی ہے
اندر اندر آگ لگی ہے
کہنے کو تو شام ڈھلی ہے
دل پر کیا کیا بیت گئی ہے
میں تو اِس کو بھول چکا ہوں
بادل میں تصویر بنی ہے
ایک دریچہ روشن روشن
ورنہ تو سنسان گلی ہے
آنگن میں تھا دھوپ کا پودا
کمرے میں ایک شمع جلی ہے
ہم نے چاہا جس کو جلائیں
وہ کشتی ہی ڈوب گئی ہے
البم میں ہیں سو تصویریں
ایک مگر کچھ بول رہی ہے

(آزاد نظم)

مراجعت

خواب نگر کے او شہزادے
تم نے چہرہ چہرہ بٹ کر
کیا پایا، کیا پاؤ گے
کیوں ریت اٹھائی پلکوں سے
پھر دھوپ کی جلتی بستی میں
جسم کے باہر نکلے ہو؟
یہ سایوں کا اندھا جنگل
دھوپ کی چکی، اپنا مقدر
دھیرج رکھو
وقت کو تھامو
اپنے بازو پھیلا دو
آکاش اتارو دھرتی پر
اک ہاتھ خلاؤں میں رکھو
اک ہاتھ میں سورج تھام لو
اک بار اجنتا غاروں سے
اک بار گیا کے جنگل سے
اک بار مہنجو دارو سے
اک بار چلو

☆☆☆

تعارف

نام : یوسؔف دیوان

تخلص : یوسؔف

وطن : اورنگ آباد

عارضی رہائش : ممبئی

موبائل : 9004080080

پیشہ : درس وتدریس۔تعلیم : ایم اے(اردو)،بی ایڈ

مشغلے : شاعری تخلیق کرنا ، مشاعرے پڑھنا ، مشاعروں کی نظامت کرنا،سمینار اٹینڈ کرنا۔

یوسف دیوان منفرد لب و لہجے کے شاعر ہیں۔آواز دلکش ہے۔ زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے۔ نظامت کے لئے مشہور ہیں۔ہندوستان بھر میں ریاستی وقومی سطح کے شاعروں میں نظامت کے لئے بلائے جاتے ہیں۔یوسف دیوان خطاطی کے بھی ماہر ہیں۔

غزلیات

جلا ہوں ، راکھ ہوا ہوں، دھواں ہوا ہوں میں
کسی سے پھر بھی کہاں بدگماں ہوا ہوں میں
مرے خیال کی وسعت نہ چھو سکا کوئی
کسی پہ پوری طرح کب عیاں ہوا ہوں میں
الگ الگ ہیں نظریے مجھے سمجھنے کے
کسی کا سود ، کسی کا زیاں ہوا ہوں میں
زمانے بھر میں مری طوطی بولتی ہے مگر
تمہارے سامنے ہی بے زباں ہوا ہوں میں
ملے جو تم ، تو ہر اک غم سے آشنائی ہوئی
وگرنہ پہلے پریشاں کہاں ہوا ہوں میں
مرا فسانہ عجب ہے ، عجب کہانی بھی
کسی کے ہاتھوں یونہی رائیگاں ہوا ہوں میں
ملی ہیں مجھ کو بھی ’’یوسف‘‘ سی شہرتیں یوسؔف
کسی کا ذکر کسی کا بیاں ہوا ہوں میں

☆

یہ سچ ہے کہ ہوتا ہے کوئی قول سند بھی
ہوتی ہے حقیقت میں کسی بات کی حد بھی
منزل کی لگن ، شوقِ سفر ہو ، تو یقیناً
ہم نے یہ سنا غیب سے ہوتی ہے مدد بھی
ایوانِ سیاست میں بھی جہلاء کی ہے کثرت
کچھ کام نہ آئیں گے وہاں ہوش و خرد بھی
کمبخت کی فطرت کو سمجھنا نہیں آساں
ہر بات وہ سنتا ہے مگر کرتا ہے رد بھی
دنیا کی ہوس عقبیٰ بگاڑے گی یہ سچ ہے
رکھ ذہن میں اپنے ذرا انجام لحد بھی
ایسے ہیں منافق کہ محبت سے ملیں گے
اور ہم کو مٹانے کی کریں جدوجہد بھی
یوسؔف ترے احباب کی فطرت بھی عجب ہے
ظاہر میں محبت ہے مگر دل میں حسد بھی

☆

نہیں ایسا کہ بس دوچار ہی ناچار بیٹھے ہیں
یہاں تو اچھے اچھے اپنی ہمت ہار بیٹھے ہیں
ہمارے دل میں امن وشانتی ، الفت، محبت ہے
مگر دشمن تو پہلو میں لئے ہتھیار بیٹھے ہیں
عجب عالم ہے وحشت کا ہر اک جانب ہیں سناٹے
بہت مصروف تھے، ہم آج کل بے کار بیٹھے ہیں
شکم مزدوروں مجبوروں کا مشکل ہی سے بھرتا ہے
جو ہیں قزاق ، رہزن وہ پسِ سرکار بیٹھے ہیں
اگر ہوتے کوئی دوچار تو ہم صبر کر لیتے
ہماری تاک میں تو ہر طرف خونخوار بیٹھے ہیں
اگر حق بات پہ گردن اڑانی ہے تو سن ظالم
ہم اپنی جاں لٹانے کو سدا تیار بیٹھے ہیں
یہ مانا ہم بھی یوسف ہیں مگر وہ ہم کہاں یوسف
یہی کچھ سوچ کر ہم بھی سرِ بازار بیٹھے ہیں

☆

درِ حبیبؐ پہ راز و نیاز افضل ہے
اسی لئے تو ہمیں خود پہ ناز افضل ہے
اگر ہے دل میں محبت رسولؐ اکرم کی
منافقین سے پھر احتراز افضل ہے
تمام نبیوں پہ فائق ہیں آپ کیا کہنے
عبادتوں میں بھی جیسے نماز افضل ہے
جو مجھ پہ نظرِ کرم ہو تو چھوڑ دوں دنیا
مرے لئے تو یہی اک جواز افضل ہے
میں خاک ہو کے مدینے کی خاک بن جاؤں
مری تمنا کا یہ امتیاز افضل ہے
ہزار کاکلِ گیتی حسین تر لیکن
مرے حضورؐ کی زلفِ دراز افضل ہے
تمہارے نام سے دل میں ہے نورِ ایمانی
اسی سبب تو یہ سوز و گداز افضل ہے
یہ آرزو ہے ترے در پہ میری موت آئے
مری حیات کی یہ تگ و تاز افضل ہے
حسین دنیا میں یوں تو ہزار ہیں یوسف
مری نگاہوں کا یہ ارتکاز افضل ہے

☆

قدرت کے ، ہر گھڑی میں اشارے نکلتے ہیں
سورج غروب ہوتا ہے ، تارے نکلتے ہیں
کیا اس کا حال ہوتا ہے ، احساس کیجئے
ہاتھوں سے جب کسی کے سہارے نکلتے ہیں
اہلِ نظر کے واسطے پیغامبر ہیں یہ
ان کی طرف سے جو بھی اشارے نکلتے ہیں
کس کی مجال ہے کہ کرے تجھ سے گفتگو
تیری زبان سے تو شرارے نکلتے ہیں
سورج کو اپنے گھر سے نکلنے کی دیر ہے
پھر دیکھئے کہ کیسے نظارے نکلتے ہیں
برباد مجھ کو اور کوئی کس لئے کرے
پانسے تمہارے نام کے سارے نکلتے ہیں
ہاتھوں کو کون تھامے گا یارب ترے سوا
کیوں دسترس سے میری کنارے نکلتے ہیں
نہ جانے ذکر ہوتا ہے یوسؔف کا کس لئے
دنیا سے جب بھی عشق کے مارے نکلتے ہیں

☆☆☆

مضامین

سفینۂ اردو ادب
انس مسرور انصاری

ڈاکٹر ریحان احمد قادری
اسسٹنٹ پروفیسر، صدر شعبۂ اردو
سب ڈویژنل گورنمنٹ ڈگری کالج
، بینی پور، دربھنگہ (بہار)
موبائل : 9031201641

اردو زبان وادب کے فروغ میں اپنی زندگی وقف کرنے والے ہندوستان کے ایسے ایسے لعل وگوہر موجود ہیں جن کی کاوش کی بنا پر زبان اردو کو حیات جاوید ملتی رہی ہے، انہی جانثاروں میں ایک اہم نام صوبہ اتر پردیش سے تعلق رکھنے والے حافظ انس مسرور انصاری ہیں۔

آپ کی ادبی زندگی تقریباً پچاس دہائیوں پر محیط ہے۔ آپ نے گاہے بہ گاہے متواتر کتابیں لکھیں ہیں جو وقتاً فوقتاً منظر عام پر آتی رہی ہیں۔ اتر پردیش میں آپ کی پیدائش چودھری احمد اللہ صاحب کے گھر ۲ر مئی ۱۹۵۴ء کو ہوئی۔ آپ کا اصل نام محمد انس ہے اور قلمی نام انس مسرور انصاری ہے۔ آپ بچپن سے ہی کافی ذہین تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے جلد ہی قرآن مقدس جیسی عظیم دولت کو آپ کے سینے میں محفوظ کر دیا جو استاد حافظ غلام رسول کی سرپرستی میں مکمل ہوا۔ پھر مدرسے کی تعلیم سے فراغت حاصل کی۔ مزید تعلیم ایم اے (اردو) اودھ یونیورسٹی سے حاصل کی اور مرکزی چرچ (مدراس) سے آپ نے انجیل کورس مکمل کیا اور درس وتدریس کی خدمت سے جڑ گئے۔ آپ نے صحافت میں بھی ہاتھ آزمایا اور کچھ وقت تک (مبصر) ٹانڈہ کے ایڈیٹر بھی رہے جو پندرہ روز پر نکلتا تھا مگر جلد ہی دل اچاٹ ہو گیا۔

آپ کا بہترین مشغلہ مطالعہ کتب، تصنیف وتالیف ہے۔ انس نے اس میدان میں کھل کر ہاتھ آزمایا یہی وجہ ہے کہ آپ کی وقفہ وقفہ سے ایک کے بعد دیگر ۵۰ سے زائد کتابیں شائع ہوئیں جن کو شہرت دوام حاصل ہے۔ ان کے تصانیف کی بات کریں تو سب سے پہلے انھوں نے نعت پاک کے حوالہ سے نور ونکہت کے نام سے ۱۹۷۴ء میں کتاب لکھی دوسری کتاب ''اسلام کا سماجی نظریہ'' ۱۹۷۹ء، ''کرب وطرب'' ۱۹۸۱ء، مخدوم سمنانی پر منقبت'' ۱۹۸۲ء، نظم وغزل'' ۱۹۸۹ء ''سنہری جالیاں'' ۱۹۷۶ء، ''سبز گنبد'' ۱۹۸۸ء، ''تنقید غزل'' ۱۹۸۱ء، ''قطرہ قطرہ''، خون دل رباعیات (۲۰۰۱ء)، فجر کا الاؤ نظم وغزل ۲۰۰۶ء جیسی اہم کتابیں لکھی ہیں۔ وہیں تاریخ کے حوالے سے آپ نے ملفوظات جہانگیری ۱۹۸۰ء، عبدالرحیم خان خاناں، ۱۹۸۱ء، عرب سے یورپ تک ۱۹۸۷ء، اورنگ زیب عالمگیر ۱۹۹۱ء، فن خطوط نگاری ۱۹۹۲ء، سیف اللہ خالد بن ولید ۱۹۹۵ء، رسول اللہ کی تلوار ۱۹۹۵ء، کمسن مجاہد ۱۹۹۵ء، صلاح الدین ایوبی ۱۹۹۶ء، اسلام کی تاریخی کہانیاں ۱۹۹۱ء، صلاۃ التسبیح (فاطمہ کی نماز) ۱۹۹۶ء، خواجہ حسن بصری (سوانح) ۱۹۹۲ء، ہاتھوں کی لڑائی (ادب اطفال) ۱۹۹۱ء، سونے کا باغ (ادب اطفال) ۱۹۸۸ء، ایک تھی رانی ۱۹۹۰ء، مولا بخش ہاتھی ۱۹۹۰ء، انسانی دماغ، کمپیوٹر اور تعلیم ۲۰۲۲ء اور آدرش بال پوتھی ہندی زبان میں ۱۹۹۵ء ہیں۔ بچوں کے حوالے سے آپ نے نظمیں جو کتابی شکل میں لکھی ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں: ''بچے من کے سچے ۲۰۰۰ء، دوپہر کی دھوپ ۲۰۱۵ء، شام کی دہلیز سے (غزلیں) ۲۰۱۵ء میں آئی۔ آپ کے مضامین کا مجموعہ دھوپ اور سائبان ۲۰۲۱ء میں منظر عام پر آیا ہے۔ اس کے بعد ایک دوسری کتاب عکس اور امکان ۲۰۲۲ء میں آئی۔ ان کے علاوہ پانچ غیر مطبوعہ کتابیں جو اشاعت کی راہ دیکھ رہی ہیں جن کے نام کچھ یوں ہیں: (۱) ادراک اور وجدان (مضامین) (۲) عطر کے داغ (رباعیات وقطعات) (۳) دیوان نسیم میسوری (تحقیق و تدوین) (۴) اردو تنقید کا معیار (جائزہ و تجزیہ) (۵) کربلا کے مسافر (مثنوی)

آپ نے انتخاب کلام کے نام سے ۲۰۰۱ء میں سات افراد کے ۱۰۰ر اشعار کا انتخاب کر کے کتاب کی شکل میں شائع کیا ہے۔

ادب کے بزرگ خدمت گار جناب انس مسرور انصاری کی کتاب دھوپ اور سائبان مجھ کو موصول ہوئی جو انصاری صاحب کے مضامین کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ۲۰۲۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں کل آٹھ مضامین ہیں اور یہ مختلف رسائل وجرائد کی زینت بن چکے ہیں۔ انس مسرور انصاری اس کتاب کے معروضات میں کچھ یوں رقم طراز ہیں: کم وبیش نصف صدی سے قلم وقرطاس سے میرا رشتہ ہے اور یہ رشتہ اتنا مستحکم اور مضبوط ہے کہ وقت وحالات کی گردش بھی اس قلبی وروحانی رشتہ کو کمزور نہ کر سکی۔ نصف صدی سے میں برابر لکھ رہا ہوں اور اب اس گمان میں ہوں کے شاید اردو زبان کو میں نے کافی حد تک سیکھ لیا ہے اور کسی قدر لکھنے کا سلیقہ بھی آ گیا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ سوال بھی انہوں نے کیا جو موجودہ وقت کے مطابق کافی اہم ہے۔ نئے دور کے لوگ ان کی فکر دیکھیں تو سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے .... (باقی صفحہ ۵۶ پر)

اردو ادب میں مکتوب نگاری کا فن

محمد فیروز عالم
ریسرچ اسکالر، ویر کنور سنگھ یونیورسٹی آرا

مکتوب نگاری یا خطوط نگاری غیر افسانوی ادب کی صنف ہے اردو میں آسان اور دلکش مکتوب نگاری کی ابتدا غالبؔ سے ہوتی ہے۔ غالبؔ سے پہلے بھی خطوط لکھے گئے لیکن ان کی زبان فارسی آمیز اور القاب و آداب میں انتہائی تکلف برتا گیا تھا۔ جو صرف ذاتی حالات یا مراسم تک محدود تھے اور ان خطوط میں عام قاری کی دلچسپی یا معلومات کا سامان نہیں تھا۔ غالب ہی ایسے پہلے مکتوب نگار ہیں جن کے خطوط عام قاری کو دلچسپی اور ایسی معلومات فراہم کرتے ہیں جو اس دور کی تحریروں میں کہیں نظر نہیں آتیں۔ غالب کے خطوط کی بے تکلف فضا اور انداز تحریر متعدد ادیبوں نے اپنانا چاہا لیکن غالبؔ کی کیفیت پیدا نہ ہوسکی۔ خطوط کے لئے کہا جاتا ہے کہ خطوط میں ہمارے لئے وہی کشش ہوتی ہے جو ہمارے لئے روزمرہ کی گفتگو میں ہوتی ہے۔

قدیم زمانے میں جب لوگ داستانیں سناتے اپنی بہادری کے کارنامے بیان کرتے قصے کہانیاں کہتے تو ان کا بیان جذباتی اور مبالغہ آمیز ہوتا تھا۔ لیکن اس زبان و بیان کا اثر زیادہ دیرپا نہ ہوتا تھا کیونکہ جو بات زبانی کہی جائے اس میں فکر کا عنصر بہت کم ہوتا ہے۔ یعنی وہ بات زیادہ سوچی سمجھی نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس جو بات لکھی جاتی ہے تو لکھنے والے کا دماغ فوری طور پر اسی خیال کی طرف مرکوز ہوجاتا ہے۔ لکھنے والا اس وقت اچھی طرح سوچ لیتا ہے کہ بات لکھنے کے لائق ہے یا نہیں۔ جو بات لکھی جاتی ہے وہ بالکل صاف جامع اور واضح ہوتی ہے کیونکہ لکھتے وقت انسان کا ذہن زیادہ یکسوئی سے کام کرتا ہے اور وہ اس وقت چند ذہنی تجربوں سے گذرتا ہے۔ اس میں گہرائی کا عنصر زیادہ ہوتا ہے۔ یہی بات مکتوب نگاری پر بھی صادق آتی ہے۔ موجودہ عہد کی عدیم الفرصتی اور اطلاعاتی و مواصلاتی انقلاب کے نتیجے میں روابط کی جو آسان اور عمدہ سہولتیں فراہم ہو رہی ہیں اس سے خط نویسی کی روایت پر بہت منفی اثر پڑا ہے۔ خاص طور سے ذاتی نوعیت کی خط نویسی پر۔ حالانکہ ٹیلی فون پر کی گئی گفتگو کے مقابلے میں اگر بات کو لکھ کر کہا جائے تو اس تحریر میں خیال زیادہ گہرا اور رچا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ٹیلی فون اور اب موبائل کے عام ہوجانے کی وجہ سے خط لکھنے کا رواج بہت کم ہوگیا ہے۔

خط نویسی کی ابتدا سے اب تک دنیا میں نہ جانے کتنی زبانوں میں خطوط کے مجموعے شائع ہوچکے ہوں گے۔ آج بھی مجموعوں کے علاوہ اخبارات اور رسائل میں خطوط شائع ہوتے رہتے ہیں اور عوام میں تعلیمی بیداری کی وجہ سے ان کی تعداد پہلے سے کہیں زیادہ ہوگئی ہے۔ قارئین کے لئے یہی بات خط نویسی کی اہمیت اور مقبولیت اور افادیت کا ثبوت ہے۔

اللہ تعالی کی تمام مخلوقات میں صرف انسان کو ہی یہ صلاحیت حاصل ہے کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ اسی لئے اسے حیوان ناطق کہتے ہیں۔ اس کے خیالات کے اظہار کا وسیلہ زبان ہے اور چونکہ ہر علاقے کا وسیلہ اظہار الگ ہوتا ہے اس لئے دنیا میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔ زبانی اظہار کے علاوہ انسان کچھ علامتوں کے ذریعہ بھی اپنے خیالات دوسروں پر ظاہر کرتا ہے اور دوسرے انہیں دیکھ کر یہ جان لیتے ہیں کہ کہنے والا کیا کہہ رہا ہے۔ یہ زبان کی تحریری شکل ہے مختلف زبانوں میں حرفوں اور لفظوں کی سینکڑوں آوازوں کی طرح دنیا میں تحریر کی بھی مختلف شکلیں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے خط کو عرف عام میں ''آدھی ملاقات'' بھی کہا جاتا ہے۔

''خط عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی سطر یا تحریر کے ہیں۔'' لیکن عربی میں یہ لفظ اصطلاحی طور پر ''تحریر'' کے معنی میں بھی اور مکتوب یا مراسلہ کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔''

'فیروز اللغات' میں لفظ 'خط' کے حسب ذیل معانی و مترادفات ملتے ہیں: (۱) تحریر (۲) لکیر لائن (۳) نامہ۔ چٹھی (۴) انداز تحریر۔

''فرہنگ آصفیہ'' میں لفظ 'خط' کے معنی اس طرح ملتے ہیں:

(۱) عربی میں مذکر الرسالہ اور مکتوب

(۲) فارسی میں نوشتہ رقبہ اور نامہ وغیرہ۔

(۳) دیگر زبانوں میں مثلاً ہندی، مراٹھی، گجراتی میں چٹھی پتری اور پنجابی میں پتر۔

(۴) انگریزی میں (Letter) بہ معنی خط ہوتا ہے۔

(۵) علم ہندسہ میں خط بہ معنی لکیر یا سطر کے ہوتا ہے۔

(۶) جغرافیہ میں تقسیمی لکیر بہ معنی خط استوا خط سرطان وجدی مستعمل ہیں۔

(۷) عربی میں خط کی نسبت ایک ضرب المثل مشہور ہے۔ ''المکتوب نصف المُلاقات'' یعنی خط آدھی ملاقات ہے۔

(۸) اسے ادب لطیف کا فن بھی کہتے ہیں۔

خط میں مکتوب نگار (خط لکھنے والا) اپنے خیالات و جذبات کو قلم بند کرکے مکتوب الیہ (جسے خط لکھا گیا ہو) کو بھیجتا ہے۔ ادب میں خط نگاری باقاعدہ ایک صنف ہے۔ جس کے حدود و قواعد مقرر ہیں جس کی اپنی ایک الگ پہچان ہے۔ احساسات، جذبات اور خیالات کو قلم کی مدد سے کاغذ پر اتارنے اور انہیں

دوسروں تک پہنچانے کا عمل خط نگاری کہلایا۔ اسی عمل میں پیغام رسانی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ محض ذاتی تسکین کے لئے وقت گذاری کی خاطر کچھ لکھنا اور اسے اپنے پاس ہی رکھ لینا خط نگاری نہیں ہے۔ خط نگاری ترسیل خیالات واظہار کا بہترین وسیلہ ہے۔

خط نگاری نثر نگاری کی ایک مستعمل صنف ہے۔ اسے ادب لطیف کا ایک حصہ بھی کہتے ہیں۔ خطوط نہ صرف کاتب ومکتوب الیہ کے رازہائے دروں کو اجاگر کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں بلکہ خطوط کے ذریعہ شخصیت وکردار کی مکمل عکاسی ہوتی ہے۔ قول وعمل کی نشاندہی خطوط ہی کرتے ہیں۔ خط نگاری کو باضابطہ ادبی صنف کا درجہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق اختلافات ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کی رائے ہے :

''خط نگاری تو بذات خود ایک بڑا فن ہے اور اس میں کامیاب وہی شخص ہوسکتا ہے جو قدرت کی طرف سے اس فن کا فیضان لے کر آیا ہو۔ خط نگاری کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اچھی خط نگاری ایک خاص شخصی ماحول پر بھی موقوف ہے۔ خط نگاری کے فن کی ایک عجیب خصوصیت یہ ہے کہ سب سے آسان فن ہے اور اس شخص کے لئے سہل الحصول جو اسے قصد کرے۔ مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ یہی آسان ترین فن نازک ترین فن بھی ہے۔ کیوں کہ اس میں معیار تک پہنچنا کوئی آسان کام نہیں۔ خط نگاری ادب کے دوسرے شعبوں کے برعکس اصلاً ادب نہیں بلکہ محض ایک ضرورتی اور افادی عمل ہے۔ خط نگاری خود ادب نہیں مگر جب اس کو خاص ماحول، خاص مزاج، خاص استعداد اور خاص فضا میسر آجائے تو یہ ادب بن سکتی ہے۔ مگر خط کو ادب بنانے کا کام بہت مشکل ہے۔ یہ شیشہ گری ہے، اس سے بھی نازک تر اور پھر آئینہ ساز ہوکر بھی کم ہی لوگ ایسے ہوں گے جو سچ مچ ایسا آئینہ ڈھال سکیں جس کے جلوے خود تقاضائے نگاہ بن جائیں۔'' (فن خطوط نگاری، سید عبداللہ۔ ص۔۱۰۵)

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خط نگاری کو صنف ادب بنانے کا کام فن شیشہ گری سے کم نہیں ہے۔ جو ایک آئینہ ساز کو تمام زندگی محنت کے بعد بھی مشکل سے نصیب ہوتا ہے۔ ایک فنکار ایک ہی وقت میں نقاد، افسانہ نگار شاعر ڈرامہ نگار ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ایک اچھا مکتوب نگار بھی ہو۔ غلام امام شہید اور غلام غوث بے خبر سے لے کر اب تک بہت کم مکتوب نگار ایسے ہیں جن کے خطوط کو ادبی حیثیت حاصل ہے۔ مکتوب نگاری کو ادبی صنف کا درجہ دینے کے لئے اس کے اصول وضوابط کا تعین کرنا ہوگا۔ کیونکہ ادب زندگی کے دل نشیں اظہار کا نام ہے۔ اس لئے زندگی کے تمام معاملات ومسائل ادب کے زمرے میں آجاتے ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ان میں جذبات، احساسات، مشاہدات وتجربات اور خیالات کی رنگینی اس نوعیت کی ہونی چاہئے کہ وہ جمالیاتی تسکین کا سبب بن سکے۔

خط کی تعریف مختلف لوگوں نے مختلف انداز سے کی ہے۔ عبدالحق کی رائے ہے کہ :

''خط دلی خیالات و جذبات کا روزنامچہ او راسرار حیات کا صحیفہ ہے۔ اس میں وہ صداقت وخلوص ہے جو دوسرے کلام میں نظر نہیں آتا۔''

پروفیسر آل احمد سرور کے خیال میں مکتوب نگار اپنے خیالات کا اظہار بے تکلف کرسکتا ہے :

مکتوب نگاری پر جب ایک ادبی صنف کی حیثیت سے گفتگو کی جاتی ہے تو اس کی ہیئت کا مسئلہ بھی سامنے آتا ہے کیوں کہ اصناف ادب کی درجہ بندی میں دو چیزیں پیش نظر رہتی ہیں۔ موضوع اور ہیئت یعنی کیا کہا گیا اور کس طرح کہا گیا ہے۔ کہیں موضوع کو اہمیت دی جاتی ہے کہیں ہیئت پر زور دیا جاتا ہے۔ خط لکھتے وقت خط نگار کو موضوع اور ہیئت دونوں کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ بعض شعراء نے منظوم خطوط بھی لکھے ہیں لیکن مکتوب نگاری کی روایت زیادہ تر نثری مکاتیب سے ہی وابستہ رہی ہے۔

انسانی جذبات واحساسات کی ترجمانی جوں کی توں ممکن نہیں البتہ تشریحی یا آزاد ترجمانی ہوسکتی ہے۔ جو کبھی کبھی مبالغہ کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ لہٰذا اپنے جذبات واحساسات کو بہت سادگی کے ساتھ قلمبند کرنا چاہیے کیونکہ خط مکتوب نگار کی سیرت اور شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے۔ خط میں مکتوب نگار بے نقاب اور بے حجاب نظر آتا ہے۔ خطوط کی سادگی سے متعلق پروفیسر صغرا مہدی لکھتی ہیں :

''خطوط میں ایک انسان دوسرے انسان سے زبانِ قلم سے باتیں کرتا ہے۔ دنیا بھر کی باتیں، اپنی باتیں اس کی باتیں، رسمی باتیں دل کی باتیں، یہ باتیں اگر تصنع اور بناوٹ بھری نہ ہوں تو وہ سیدھی دل پر اتر جاتی ہیں۔'' (خطوط نگاری کا فن، نجمی ص۔۵۱)

ڈاکٹر نسرین ممتاز بصیر رقمطراز ہیں :

''ادب میں انہیں خطوط کو صنف کی حیثیت سے قبول کیا گیا ہے۔ جن میں فطری گفتگو کا انداز اپنے تمام دلچسپ پہلوؤں کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ یعنی خط لکھنے والا اپنے مخاطب کے ساتھ باتیں کرتا ہوا نظر آئے اور یہ تبھی ممکن ہے جب خط میں غیر ضروری تصنع وبناوٹ کو دخل نہ ہو۔'' (ایضاً۔ ص۔۲۰۲)

☆ **ماحصل** : خط کی بنیادی صفت اس کا اختصار ہے۔ اس کی طوالت کو فنی نقطہ نظر سے عیب سمجھا جاتا ہے۔ کیوں کہ خط نگاری اپنے ادبی حسن کے لحاظ سے ایک نہایت ہی نازک فن ہے جہاں غیر ضروری تکلف اور بناوٹ کی گنجائش نہیں۔ مختصر یہ کہ اردو ادب میں خطوط نگاری کی اہمیت سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ ☆

ISSN 2320-6519 AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.

میؔر کی شاعری : ایک طائرانہ نظر

ڈاکٹر نرگس بانو
Dr. Nargis Bano
C/o. Md. Danish Tailor
Milky Mohalla,
Mehru Masjeed ke samne
Gopali Chowk,Ara (Bhojpur)

☆خلاصہ (Abstract)

متقدمین کی شاعری کے متعلق ناقدین کی عام رائے ہے کہ وہ شاعری کے داخلی پہلو کے مقابلہ میں کبھی خارجی پہلو کو نہیں لیتے تھے۔لباس، زیور، حتیٰ کہ سراپا وغیرہ کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اس کی جگہ نہایت عشقیہ، سوز وگداز، ناکامی کے بیان، محاکات معاملہ بندی وغیرہ کو ترجیح دیتے تھے۔ میؔر صاحب بھی انہیں لوگوں میں سے ہیں۔ وہ بھی حُزن والم کی ایک تصویر ہیں۔اس مختصر مضمون میں میؔر کی شاعری پر ایک سرسری نظر ڈالی گئی ہے۔

☆تعارف (Introduction)

میؔر کا پورا نام میر تقی میؔر ہے۔ میؔر کی پیدائش ۱۷۲۲ء کو اکبرآباد میں ہوئی اور وفات ۲۰ ستمبر ۱۸۱۰ء میں ہوئی۔ میؔر کی تصنیفات میں چھ دیوان (غزلوں کے) ہیں، فارسی اور اردو شعرائے کے تذکرے ہیں۔اس کے علاوہ منظومات پر مشتمل ایک ضخیم کلیات ہے۔

☆میر تقی میؔر کی شاعری :

برجستہ اور درماندہ خیالات میؔر کے رنگ تغزل کے ساتھ مخصوص ہیں اور بلا مبالغہ اپنے معاصرین میں سب سے آگے بڑھے ہوئے ہیں اور اتنے بڑھے ہوئے کہ ان کے بعد کے بڑے بڑے باکمالوں نے اُن کے نقش قدم پر چلنے کا ارادہ کیا اور سخت سے سخت کاوشوں اور کوششوں کے بعد بھی اُن تک نہ پہنچ پائے اور اپنی ناکامی کا نہایت ہمت شکن الفاظ میں اعتراف کیا جیسے (ذوق)

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوقؔ یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

یہ دیکھ کر قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے کہ وہ بلا شرکت غیر اس جذبہ اور اس واردات قلبیہ کے مالک ہیں اور اس کے جواب میں یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ۔

قبول خاطر ولطف سخن خداداداست

مگر ساتھ ساتھ ان کی عاشق مزاجی، اُن کی فطرت حسن پرست اور اُن کے تلخ تجربات۔ان کی مردانہ زندگی اُن کے انقلاب انگیز ماحول کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔جن کی وجہ سے یہی درد واثر، برشتگی، حرمان و مایوسی وخلق فطرت ثانیہ بن کر اُن کے تغزل کا وہ نمایاں جوہر بن گئے کہ آج دیکھنے والوں کی سب سے پہلی نظر اسی خوبی پر پڑتی ہے۔کوئی اس کو ۷۲ نشتر سے تعبیر کرتا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ وہ اسی کے لئے پیدا ہوئے تھے۔چنانچہ وہ خود بھی کہتے ہیں۔

ہم کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب ہم نے
درد وغم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا

میؔر کی شاعری زندگی کے تلخ حقائق کی داستان ہے۔ ان کے یہاں دردوغم کے گہرے نقوش ملتے ہیں، جن حالات میں میؔر کی شخصیت کی تعمیر ہوئی وہ زمانہ ایسا تھا جب دلی میں مستقل تہلکہ مچا ہوا تھا اور ہر طرف بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ میؔر کی حساس طبیعت ان حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ دردوغم، درماندگی، مایوسی اور بے بسی کا ذکر انہوں نے اپنے اشعار میں جابجا کیا ہے۔اس لئے میؔر کی آواز سب سے الگ ہے۔

مولوی عبدالحق اپنے مقدمے میں میر تقی میؔر کی شاعری کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"میری رائے میں کسی شاعر کے کلام کا ایک بڑا معیار اس کے کلام کی تاثیر ہے اور اگر اس معیار پر میؔر صاحب کا کلام جانچا جائے تو ان کا رتبہ اردو شعرا میں سب سے اعلیٰ پایا جاتا ہے۔ان کے اشعار سوز و گداز اور درد کی تصویریں ہیں' زبان سے نکلتے ہی دل میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ میؔر صاحب کی عمر کوئی سو برس کی تھی اور ان کے وفات پائے بھی سو برس سے زیادہ ہوگئے ہیں۔لیکن اب تک یہ حال ہے کہ لوگ ان کے کلام کو پڑھ پڑھ کر مزے لیتے اور سر دھنتے ہیں۔"

میؔر کی شاعرانہ عظمت کا اس سے بہتر ثبوت نہیں مل سکتا کہ انہوں نے شعر کے پردے میں اپنے غموں کی داستان جس انداز سے بیان کی ہے وہ انداز دوسرے کسی شاعر کے یہاں نہیں ملتا۔میؔر کا انداز ان کا اپنا انداز ہے اور یہ انداز کوئی نہیں اپنا سکا۔میؔر خود فرماتے ہیں۔

ہر صبح غموں میں شام کی ہے میں نے
خونابہ کشی مدام کی ہے میں نے
یہ مہلت کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر
مر مر کے غرض تمام کی ہے میں نے

دردؔ، قائمؔ، سوداؔ کے یہاں بھی زمانے کی شکایت اور زندگی سے بیزاری جابجا ملتی ہیں۔لیکن میؔر کے یہاں دوسرے شاعروں کے مقابلے میں زیادہ شدت کے ساتھ ہے۔میؔر نے زندگی بھر مصیبتوں سے ٹکر لی، فرماتے ہیں۔

رات ساری تو کٹی سنتے پریشاں گوئی
میؔر جی کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو

میر تقی میؔر کے اشعار میں سادگی کے ساتھ ساتھ جذبات کی شدت کا بھی احساس ہوتا ہے۔ان کا یہ شعر سنتے ہی دل میں اُتر جاتا ہے۔

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

میؔر کو اپنی برتری اور عظمت کا احساس تھا ایک جگہ لکھتے ہیں۔

ریختہ رتبے کو پہنچا ہوا اسی کا ہے
معتقد کون نہیں میرؔ کی استادی کا

میرؔ کی شاعری کا اعتراف سب ہی شاعروں نے کیا ہے حتیٰ کہ ان کے معاصرین نے بھی ان کی شاعری کا اعتراف کیا ہے۔ یہ مقبولیت اردو کے کسی اور شاعر کو نصیب نہیں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے شاعروں نے ان کو استاد تسلیم کیا ہے۔ سوداؔ فرماتے ہیں۔

سوداؔ تو اس زمیں میں غزل در غزل ہی لکھ
ہوتا ہے تجھ کو میرؔ سے استاد کی طرف

غالبؔ فرماتے ہیں۔

ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہو غالبؔ
کہتے ہیں اگلے زمانہ میں کوئی میرؔ بھی تھا

ذوقؔ فرماتے ہیں۔

نہ ہوا پر نہ ہوا میرؔ کا انداز نصیب
ذوقؔ یاروں نے بہت زور عمل میں مارا

سوداؔ، غالبؔ، ذوقؔ اور ناسخؔ کے علاوہ اکبرالہ آبادی اور حسرتؔ موہانی نے بھی ان کی استادی کو تسلیم کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

میں ہوں کیا چیز جو اس طرز پہ جاؤں اکبرؔ
ناسخؔ اور ذوقؔ بھی جب چل نہ سکے میرؔ کے ساتھ
شعر میرے بھی ہیں پردرد و لیکن حسرتؔ
میرؔ کا شیوۂ گفتار کہاں سے لاؤں

موسیقیت اور پرخلوص جذبات نے میرؔ کی شاعری میں چار چاند لگا دئے۔ میرؔ کی عظمت کا راز ان کی سادگی اور سوز و گداز میں ہے۔ ان کی شاعری میں انفرادیت کے گہرے نقوش کارفرما ہیں یہی انفرادیت ان کے اسلوب میں بھی نظر آتی ہے۔ یاس پرستی اور رنج والم کی غمناک داستانیں ہمیں میرؔ کے جیسی کم ہی دوسرے شاعروں کے یہاں ملتی ہیں۔

☆ **ماحصل** : میرؔ کی شاعری اور انداز بیان کی پانچ خصوصیتیں ڈاکٹر سید عبداللہ نے بتائی ہیں۔ یہ پانچوں ان کے انداز کی مجموعی طور پر نمائندگی کرتی ہیں۔

اول۔ خلوص اور صداقت
دوم۔ معمولیات کی کامیاب مصوری
سوم۔ لہجہ عام اور بول چال کا انداز
چہارم۔ پیرایہ ہائے ادا کی مانوسیت
پنجم۔ صوتی محاسن

میرؔ کی شاعری انہی پانچوں خصوصیتوں سے عبارت ہے۔ ان کے یہاں تلملانا اور تڑپنا نہیں ہوتا بلکہ خودداری اور سنجیدگی کے ساتھ مقابلہ کرنے کا حوصلہ پایا جاتا ہے۔ محمد حسین آزادؔ نے میرؔ کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ ”ستر اور دو بہتر نشتر ہیں باقی میرؔ صاحب کا تبرک ہے۔“ آزادؔ کی یہ رائے صحیح نہیں۔ انہوں نے میرؔ کے ساتھ جو بے انصافی کا ثبوت دیا ہے اس سے میرؔ کی شاعری کا درجہ تو کم نہیں ہوتا البتہ آزادؔ کی تنگ نظری کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ میرؔ کے کل چھ دیوان ہیں۔ ان میں ۷۲، اشعار کا انتخاب تو ویسے بھی قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ میرؔ کے بہتر نشتروں کا ایک مجموعہ اب سے تیس برس پہلے امرتسر سے چھپا تھا۔ یہ مجموعہ سید محمد فاضل مشہدی نے ترتیب دیا تھا۔ اب یہ کامیاب ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ ۷۲ نشتر (اشعار) نقل کر دیئے جائیں تاکہ یہ نشتر ایک جگہ محفوظ ہو جائیں۔ یہاں ان ۷۲ نشتروں کے لکھنے سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جو صاف ذوق میرؔ کے کسی شعر کو ۷۲ نشتروں میں سے ایک بتائیں گے تو وہ ان کے علاوہ نہ ہوگا۔ حالانکہ ان کے نشتروں کی تعداد سینکڑوں اشعار پر مشتمل ہے۔ ان تمام تمام باتوں کی روشنی میں ہم میرتقی میرؔ کی شاعری کا بخوبی جائزہ لے سکتے ہیں۔

☆☆☆

بقیہ: سفینہ اردو ادب

انہوں نے دو شعر اس کتاب میں شامل کیے ہیں جس کا انداز بیان کچھ اس طرح ہے۔

دھوپ کے سائبان سے نکلا ۔۔۔ میں کڑے امتحان سے نکلا
اپنا گھر پھونک کر ہوا مسرورؔ ۔۔۔ میں بڑی آن بان سے نکلا

ان کی کتاب میں پہلا مضمون قصبہ ٹانڈہ کی جغرافیائی و تاریخی اور علمی منظرنامہ کے نام سے ہے۔ دوسرا مضمون جدید اردو غزل پر لکھا گیا ہے اس مضمون میں آپ نے بڑی چابکدستی سے غزل کے ارتقاء کے سفر کا تذکرہ پیش کیا ہے وہیں غزل پر کئے گئے تنقیدی نظریے کا نقشہ کھینچا ہے۔ تیسرے مضمون میں صنف رباعی اور اس کا فن کے تحت خواجہ الطاف حسین حالی، میر ببر علی انیس، مرزا سلامت علی دبیر، اکبر الہ آبادی، منشی تلوک چند محروم، جگت موہن لال رواں امید، سید امجد حسین امجد حیدرآبادی، مرزا یاس یگانہ چنگیزی، جوش ملیح آبادی، فراق گورکھپوری، پنڈت لبھو رام، جاں نثار اختر، اختر رضوانی، شمس الرحمٰن فاروقی، پریم وار برٹنی، فنا پرتاپ گڑھی، حافظ کرناٹکی کے رباعیات شامل ہیں۔ ان لوگوں کے صنف رباعی میں کہے گئے اشعار کو اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے جس کی تعریف جتنی کی جائے کم ہے۔ چوتھا مضمون تعمیری ادب پر مشتمل ہے۔ اردو زبان سے منسلک تمدن اور تہذیبی وراثت کے نام سے پانچواں مضمون لکھا گیا ہے۔ مذکورہ بالا کتاب میں چھٹا مضمون اردو شعر و ادب میں صفر کی معنویت پر شامل ہے اور ساتواں مضمون کرانکا و دمنکا کا (دو ہزار سال قبل کی ایک تصنیف) بڑے عمدہ طریقہ سے تذکرہ کیا گیا ہے جس کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔ ان کے مطالعہ سے مضامین کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے جس کے لئے میں انس مسرور انصاری کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ انس مسرور انصاری زندگی کے اس پڑاؤ پر قدم رکھتے ہوئے اردو زبان کے لیے ایک سے بڑھ کر ایک کتابیں پیش کرتے چلے جا رہے ہیں۔ میں دعا گو ہوں کے آپ کی عمر میں اللہ تعالیٰ برکتیں عطا فرمائے ساتھ ہی ان کے ذریعہ ہونے والے ادبی کاموں میں دن دونی رات چوگونی ترقی عطا فرمائے اور ان سے ہم ادبی قارئین تک ادبی تحفہ کتاب کی شکل میں ملتا رہے تاکہ ہمارے علم و عمل میں اضافہ بھی ہوتا رہے۔

☆☆☆

جدید اردو نظم اور شاعرات کا فن

سرفراز احمد
اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اردو، بی۔ این کالج، بھاگلپور

شہناز مسرت نے اردو نظم میں عورتوں کی محرومی کو پیش کیا ہے وہ عورتوں کی حالات پر افسردہ نظر آتی ہیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے 'میں بولتی ہوں' کے عنوان سے ایک نظم لکھ کر عورتوں کے تشخص کی بات کی ہے۔نظم ملاحظہ کیجئے۔

انہوں نے مربی سے مرے
شکایت یہ کی ہے
کہ میں بولتی ہوں!
مربی نے حیرت کے لہجے میں
پوچھا ہے مجھ سے
کیا بولتی ہو؟
یہ سچ ہے
کہ میں بولتی ہوں
کہ جذبات میرے بھی کچھ ہیں
کہ کچھ خواہش ہے
تمنا ہے
کچھ جستجو ہے!!
انہیں بھی سمجھنے کی کوشش کرو!
جو جائز طلب ہے
انہیں بھی تو پوری کرو!!
یہ ظلم وستم کا
جو بیوپار صدیوں سے رائج ہے
اب ختم کرو!

یہ پوری نظم نسائیت کے مسائل پیش کرتی ہے اور شہناز مسرت کے جذبات واحساسات کو سامنے لاتی ہے۔نظم کا آخری بند دیکھئے۔

جو رحم وکرم کا تصور ہے
بیدار رہو!
خلوص ومحبت
اور انسانیت کا
فسوں ہر طرف پھیل جائے
تو کیا یہ برا ہے
یہی بولتی ہوں!
برابر یہی بولتی ہوں!!
اگر بولنا میرا
جرم وخطا ہے
تو میں بولتی ہوں!
برابر یوں ہی بولتی رہوں گی!

یہ پوری نظم شاعرہ کے عمیق مطالعے کی بہترین مثال پیش کرتی ہے۔اس پوری نظم میں شاعرہ نے عورتوں کو قوت گویائی پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ شہناز مسرت نے اس پوری نظم میں جذبے کی صداقت کو پیش کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔مختصر یہ کہ یہ نظم عورتوں کو باحوصلہ ہو کر زندگی جینے کا شعور عطا کرتی ہے۔آج جس طرح فکشن میں نسائیت کو جگہ دی جارہی ہے اسی طرح نظموں میں بھی اس پہلو پر خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔

اداؔ جعفری نے بھی فرد کی دلی کیفیات اور زمانے کی ناہمواری کو ہمارے سامنے پیش کردیا ہے۔لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ پوری نظم میں شاعرہ نے سوال نامہ قائم کیا ہے اور اس سوال نامے کے تحت زمانے کی ناہمواری انسانی اقدار کی پامالی کو سامنے لایا ہے جسے شاعرہ کا فنی اختصاص کہا جائے گا۔لہذا یہ کہا جائے گا کہ شاعرہ نے نظم کے آخر میں اپنے دل کی جستجو اور تجسس کو بہت خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔اداؔ جعفری نے لفظ و بیان کا بھی خاص خیال رکھا ہے۔ایک ایک لفظ موزوں و مناسبت رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ نظم مقصدیت تک محدود نظر نہیں آتی ہے بلکہ فنی کارکردگی پر بھی کھری اترتی ہے۔اداؔ جعفری کا ذہنی شعور اور عمیق مطالعے کی بالیدگی پوری نظم میں جلوہ نما ہے۔یہاں ابہام بالکل بھی نہیں بلکہ سلاست وشگفتگی پوری نظم میں موجود نظر آتی ہے۔نظم کا یہ شعر کتنا خوبصورت ہے دیکھئے۔

بہار کھلکھلا اٹھی
جنون نسواز بدلیوں کی چھاؤں میں
ہر ایک شاخ لالہ زار سجدہ ریز ہوگئی
ہر ایک سجدہ ریز شاخسار شجر طیور چہچہا اٹھے

کتنی خوبصورت نظم ہے یہ پوری نظم شاعرہ کی قوت مشاہدہ کتنی بالیدہ ہے اسے سامنے لاتی ہے۔

فنکار کس طرح خوابیدہ ہو کر اپنے جذبات وتجربات کو اپنی نظم میں پیش کرتا ہے۔شبنم نے بہت ہی حقیقت پسندی کے ساتھ قارئین ادب کو بہرہ ور کیا ہے کہ اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔یہ حقیقی امر ہے کہ ایک شاعر اپنے دلی جذبات اور ذہن کے نہاں خانے میں رچنے بسنے والے خیالات کو شعری پیکر عطا کرتا ہے جس سے پڑھنے والا مستفیض ہوتا ہے وہ فرد اور سماج کے سنورنے اور سنوارنے کا خواب دیکھتا ہے اور اس خواب سے قارئین کو روبرو کراتا ہے یہی وہ حقیقی جز ہے جیسے شبنم نے بہت ہی فنکاری کے ساتھ اپنی پوری نظم میں پیش کردیا ہے وہ کیا خوب کہتی ہیں کہ۔

کسی شاعر سے کبھی خواب نہ چھینو اس کے
خواب چھینو گے تو بے موت ہی مرجائے گا

لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ یہ پوری نظم فنی حسیت اور حسن وقبح کے اعتبار سے اعلیٰ معیار کی معلوم ہوتی ہے جس سے شاعرہ کی فنکاری کا بھی بخوبی اندازہ لیا جاسکتا ہے۔

اردو نظمیہ شاعری کے منظر نامے پر پروین شاکر کا نام اہمیت کا حامل ہے۔پروین ایک منفرد لب ولہجہ کی شاعرہ تھیں۔آپ کے یہاں تہذیبی وثقافتی، سیاسی وسماجی رویے کی دلکشی ملتی ہے۔پروین شاکر ایک حساس ذہن

کی مالک تھیں لہٰذا ان کی نظمیہ شاعری اس کی بہترین مثال پیش کرتی ہے ۔ پروین شاکر اپنی نظموں میں انسانی رشتوں کا نقشہ بہت ہی بے باکانہ انداز میں پیش کرتی ہیں جس میں جذباتیت بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔اس پر اضافہ یہ کہ ان کے یہاں وطن پرستی بھی ہے۔انسانی رشتے کی گہرائی پروین شاکر کی نظموں میں سب سے زیادہ دیکھی جاتی ہے۔ کیوں کہ پروین شاکر کی ازدواجی زندگی زیادہ خوش حال نہیں رہی۔لہٰذا اسی کا پورا اثر ان کی نظموں میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔اس سلسلے سے پروین شاکر کی تخلیق کردہ نظم کنگن بیلے کا ملاحظہ کیجئے۔

اس نے میرے ہاتھ میں باندھا
اجلا کنگن بیلے کا
پہلے پیار سے تھاما کلائی
بعد اس کے ہولے ہولے پہنایا
گہنا پھولوں کا
پھر جھک کر ہاتھ تھام لیا!
پھول تو آخر پھول ہی تھے
مرجھا ہی گئے
بانہوں پر وہ لمس ابھی بھی تازہ ہے
پھول کا گہنا
پریم کا کنگن
پیار کا بندھن
اب تک میری یاد کے ہاتھ سے لپٹا ہوا ہے!

اس پوری نظم کو پڑھ کر پروین شاکر جس ناکام محبت کی شکار ہوئیں اس کا بھرپور جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ پروین شاکر کو بچپن سے ہی شعروشاعری کا ذوق تھا اور ان کا کلام متعدد رسالوں میں شائع ہوا کرتا تھا لیکن ان کی زندگی کا رخ اس وقت زیادہ موڑ لیتا ہے جب ان کے شوہر انہیں طلاق دیتے ہیں لہٰذا پروین شاکر یہ غم برداشت نہیں کرتی ہیں اور اس کا اثر ان کی صحت پر پڑنے لگتا ہے تھوڑے تھوڑے وقفے سے تھوڑے دن بیمار رہنا ان کی زندگی کا سلسلہ بن گیا اس پر اضافہ یہ کہ پروین شاکر اپنی دلی کیفیات کو نظم کا پیکر عطا کرنے لگیں، ذیل میں پیش کی گئی پوری نظم محبت کی کیفیات کو پیش کرتی ہے جس سے پروین شاکر دوچار ہیں۔شوہر کی جدائی اس کے پیار کی علیحدگی ان تمام امور کو یہ نظم بیان کرتی ہے ۔کام محبت اور دل کی ادھوری آرزو کو پروین شاکر نے اپنی تحریر کردہ نظم ایکسٹیسی میں پیش کرتی ہیں۔نظم ملاحظہ کیجئے۔

سبز مدھم روشنی میں سرخ آنچل کی دھنک
سرد کمرے میں مچلتی گرم سانسوں کی مہک
بازوؤں کے سخت حلقے میں کوئی نازک بدن
سلوٹیں ملبوس پر آنچل بھی کچھ ڈھلکا ہوا
گرمیٔ رخسار سے دہکی ہوئی ٹھنڈی ہوا
نرم زلفوں سے ملائم انگلیوں کی چھیڑ چھاڑ
سرخ ہونٹوں پر شرارت کے کسی لمحے کا عکس
ریشمی بانہوں میں چوڑی کی کبھی مدھم کھنک
شرمگیں لہجوں میں دھیرے سے کبھی چاہت کی بات
دو دلوں کی دھڑکنوں میں گونجتی تھی اک صدا
کانپتے ہونٹوں پہ تھی اللہ سے صرف اک دعا
کاش یہ لمحے ٹھہر جائیں ٹھہر جائیں ذرا !

مذکورہ بالا نظم میں دل کی کسک بھرپور طور سے جلوہ نما ہے۔شاعرہ بہت ہی معتبر انداز میں دست بدعا ہے اور محبت کی آغوش میں رہنے کی خواہاں ہے۔مختصر یہ کہ یہ پوری نظم دو دلوں کی محبت اور اس کی اہمیت و افادیت کو بیان کرتی ہے۔ پروین شاکر ایک حساس شاعرہ تھیں۔ وہ موضوعات کے تنوع پر خصوصی توجہ دیتی نظر آتی ہیں اس پر اضافہ یہ کہ یہاں اسلوبیاتی اعتبار سے بھی شگفتگی اور شائستگی دیکھنے کو ملتی ہے۔ پروین شاکر کے یہاں زبان و بیان کی بالیدگی اور موضوعات کا تنوع دیکھنے کو ملتا ہے۔ان کی زندگی کا المیہ یہ رہا کہ ان کی شادی ٹوٹ گئی اور طلاق ہوگیا۔جس کا غم وہ برداشت نہ کر سکیں اور اسی غم کی ترجمان ان کی شاعری بنی۔

شاعری میں شاعرہ شفیق فاطمہ شعریٰ نے بھی اپنی فنی صلاحیتوں کو یکجا کر دیا ہے۔ان کی نظمیں اپنے حسن و قبح کے اعتبار سے اعلیٰ پائے کی ہیں۔اپنی نظموں میں فاطمہ شعریٰ نے بہت سادہ سلیس زبان استعمال کر کے انسانی زندگی کے پیچ و خم پیش کئے ہیں۔شفیق فاطمہ شعریٰ نے ایک نظم میں چاند کو استعارہ کی شکل میں استعمال کیا ہے۔انسانی زندگی اگر قربت نہ رکھے گی تب فنا لازمی ہے اس پر اضافہ یہ کہ شاعرہ نے بہت ہی باریک بینی کے ساتھ انسانی زندگی کی خوشحالی کے لئے کیا کیا درکار ہے اس پر روشنی ڈالی ہے۔اس نظم میں شاعرہ کا عمیق مطالعہ گہرا تجربہ اور حساس ذہن سبھی کی کارفرمائی ہے۔ اس باعث نظم کی معصومیت اور مقصدیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔فنا اور بقا کی بات کرتے ہوئے شفیق فاطمہ نے بہت ہی خوبصورت انداز میں پڑھنے والوں کو متنبہ بھی کیا ہے یہاں مسرت بھی ہے اور بصیرت بھی۔نظم کے آخر میں شاعرہ نے کیا خوب کہا ہے۔ملاحظہ کیجئے۔

نغمہ بھی موج اس کا ہے دریا گہرا
لہجہ میر کی گہرائی کا جادو جاگا
چاندنی ہونہ کہیں نالۂ نئے کی تجسیم
اب تو پہچاننا مشکل ہے کہاں کون ہے کیا

آج کا فرد کس طرح تنہائی کا شکار ہے اور تجسس اسے گھیرے ہوئے ہے، ان تمام امور کو شفیق نے بہتر انداز میں اس نظم کا حصہ بنایا ہے ۔لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ موضوع میں تنوع بھی ہے اور گہرائی بھی ۔نظم کا ایک ایک لفظ اچھوتا ہے اور خوبصورت ہے ۔اس طرح ہم جدید اردو نظم میں شاعرات کے فنی کمالات کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

☆☆☆
☆☆
☆

تعارف و تبصرے

کتاب کا نام : عکسِ عبقری (شعری مجموعہ)

مبصر : نازنین کوثر (مالیگاؤں)

شاعرہ : کوثر پروین کوثر (کولکاتا، مغربی بنگال)

موبائل : 9339784378

قیمت : 200/روپے

ناشر : ڈاکٹر نخشب مسعود

موبائل : 9339784378

پبلیکیشنز : نوال پبلی کیشن، مالیگاؤں مہاراشٹر

"عکسِ عبقری" کولکتہ کی مشہور و معروف شاعرہ کوثر پروین کوثر کا دوسرا شعری مجموعہ ہے۔ 2008ء میں "آئینہ خانہ" کے نام سے پروینؔ کا پہلا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ عکسِ عبقری میں فلسفہ، حیات و کائنات نغمہ و جمالیات اور شعور و آگہی کی حکمت آمیز باتیں غزل اور رباعیات کے شعری اسلوب میں پیش کی گئی ہیں۔ کوثر پروین کوثر اردو ادب کی شعری روایت کی امین ہیں۔ وہ شعور و آگہی کا گہرا تجربہ رکھتی ہیں۔

موصوفہ لکھتی ہیں "عکسِ عبقری" کی تخلیق مغربی بنگال میں ہوئی مگر منظر عام پر آنے کا عمل مہاراشٹر، مالیگاؤں میں ہوا جس کی تمام تر ذمہ داری طباعت و کتاب کی رونمائی کا فریضہ ڈاکٹر نخشب مسعود کے سر جاتا ہے" . جنھیں وہ اپنا ہمدرد دوست سمجھتی ہیں . زیر نظر شعری مجموعہ میں 72 غزلیں تین طویل نظمیں، اور 44 رباعیات شامل ہیں۔ کتاب 136 صفحات پر محیط ہے۔ طباعت روشن صاف اور گلیز آرٹ پیپر پر دو رنگوں میں نہایت نفاست سے شائع کی گئی ہے۔

ہزار بار میں یوسف کی طرح بک جاؤں
کوئی زلیخا مکرر شباب لے آئے

الفت میں قیس خود کو بنانا تو ہے نہیں
اب خاک چھاننے کا زمانہ تو ہے نہیں

رکھنا خیال اپنی نظر کی زبان کا
کوثر ترا حریف دوانہ تو ہے نہیں

رہے اب معرکہ راہِ وفا میں
جگر ہم لائیں گے تم تیر لانا

جاں بلب پھر کوئی صحرا میں ہوا ہے شاید
بے قراری پسِ محمل کبھی ایسی تو نہ تھی

منزل عشق ہے یہاں کوثرؔ
اچھے اچھوں کا حوصلہ ٹوٹے

موصوفہ کی شاعری نسائی جذبات، تانیثی احساس کا آئینہ ہے۔ جیسا کہ پروین شاکر، فہمیدہ ریاض، زاہدہ زیدی، امرتا پریتم اور دیگر شاعرات کے یہاں دکھائی دیتا ہے گو کہ بیباکی و باغیانہ تیور کا کھلا اظہار کوثر پروین کوثر کے یہاں نظر نہیں آتا۔ اس کی خاص وجہ ان کا ذہن ان کی فکر و لسانیات اور لب و لہجہ کا قدامت پرستی اور روایتوں کا اسیر ہونا ہے یعنی ان کی شاعری اسلاف کی روایات کی پاس داری اور سلیقہ سکھاتی ہے۔ بطور نمونہ چند اشعار پیش ہیں۔ ایسی معتبر اور فطری شاعرہ کی پذیرائی ہونا چاہیے۔ کوثر پروین ۴۰ر برس سے شعر و ادب سے وابستہ ہیں، ان کی غزلیں، نظمیں رباعیات اور دوہے، نوحے مرثیے ملک کے مقتدر رسائل میں بڑے ہی اہتمام سے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ کتاب میں تمام و کمال شاعرہ: کوثر پروین کوثر عنوان سے موصوفہ کے شوہر جناب نیر اعظمی نے جو خود بھی ایک کہنہ مشق استاد شاعر ہیں اپنے مضمون میں کوثر پروین کوثر کی شاعری کے تعلق سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ دوسرے ڈاکٹر نخشب مسعود جو کہ اس کتاب کے ناشر بھی ہیں انہوں نے اپنے منفرد انداز میں "عکس آئینہ اور پیکر: کوثر پروین کوثر" کے عنوان سے ان کے شعری محاسن اور فن پر سیر حاصل کلام کیا ہے۔ کتاب میں شامل کلام معیاری ہے اور جدید تقاضوں سے بھی ہم آہنگ ہے ہر غزل میں دو چار شعر ایسے ہیں جو آپ کو یقیناً متاثر کریں گے۔ کتاب برائے راست مصنفہ (شاعرہ) سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

☆☆☆

کتاب کا نام : ذکر خوش بیانوں کا

(شعرائے جالنہ کا منظوم تذکرہ)

شاعر : بشارت علی خان اخترؔ جالنوی

اشاعت : ۲۰۲۳ء

موبائل : 8919499980

طباعت : مدینہ پرنٹرس، ناندیڑ (مہاراشٹر)

مبصر : ڈاکٹر یوسف صابرؔ (9326772575)

انتہائی دلکش و مضبوط بائنڈنگ کے کور پیج کے ساتھ (۱۵۰) سے زائد صفحات پر مشتمل بشارت علی خان اختر جالنوی کا یہ شعرائے جالنہ کا منظوم تذکرہ اپنی نوعیت کا چونکا دینے والا ادبی کام ہے۔ بشارت علی خان اخترؔ نے اسے بڑی محنت، لگن، جستجو اور خلوص کے ساتھ تخلیق کیا ہے۔ یہ صرف قابل مبارکباد ہی نہیں قابل رشک بھی ہے۔ اس کتاب میں جالنہ کے شعراء کی مختصر الفاظ میں حیات، صفات و فن کی خوبیوں پر نہایت عمدگی سے دلکش پیرائے میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ کور پیج کے دونوں اِن سائیڈ میں شعراء کی کلرفل تصاویر اور کتاب کے آخری چند صفحات پر جالنہ کے شعری و ادبی پروگراموں کی یادگار تصویروں نے کتاب کی دلکشی میں اضافہ کیا ہے۔ کتاب کا آغاز اظہار اختر سے کیا گیا ہے۔ اس

کے بعد تعارفِ شاعر ہے۔اس کے بعد عبدالقدیر خاں سیفی کا اس کتاب پر تبصرہ ہے۔ اس کے بعد پروفیسر عبدالرحیم ارمان کا بعنوان ''جالنہ کی ادبی سرگرمیاں'' مضمون ہے۔ اس کے بعد بعنوان ''اپنی قدروں کو سنبھالے ہوئے'' رکھا ہے۔ ابھی لیاقت علی خان یاسر جالنوی کا تبصرہ ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر سلیم نواز حشر جالنوی کا مضمون ہے۔ جس میں ایک جگہ ڈاکٹر سلیم نواز حشر جعفر آبادی نے تحریر کیا ہے : ''اختر صاحب نے بڑی جاں فشانی کے ساتھ اپنی مٹی کا حق ادا کرنے کی کامیاب ترین سعی کی ہے جو دکن کی ادبی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہوگی۔ اس مجموعہ میں ۸۶ رشعراء کا منظوم تعارف پیش کیا گیا ہے۔'' اختر جالنوی کا تخلیق کردہ یہ مجموعہ جالنہ کی ادبی سرگرمی کا اہم حصہ بن گیا ہے۔ اختر جالنوی نے سبھی شعراء کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے رائے ہریش چندر دکھی جالنوی کے لئے یہ شعر بھی تخلیق کیا ہے۔

اردو ہندی کا قافلہ ہے رواں
آپ سالارِ کاروان دکھی

اس کتاب کو مکمل پڑھنے کے لئے اس پتہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ''بیت القدسیہ'' گھر نمبر 1-64، آر ٹی سی کالونی، میڈ چل۔ 501301 (TS)

☆☆☆

کتاب : ربِ کائنات (حمدیہ شعری مجموعہ)

شاعر : ارشد مینا نگری (مرحوم)

تبصرہ نگار : ذکی صدیقی

ارشد مینا نگری کا وطن علاقہ خاندیس مہاراشٹر کا دھرن گاؤں ضلع جلگاؤں تھا۔ موصوف کی ابتدائی تعلیم بھی وہیں سے ہوئی تھی۔ بعد ازاں علمی و ادبی سرگرمیوں کا مرکز رہا کپڑے کی صنعت کا شہر مالیگاؤں ارشد کا وطن ثانی قرار پایا اور ۱۹۶۱ء تا سن ۲۰۰۰ء تک وہ یہاں درس و تدریس سے وابستہ رہے اور اس کے بعد یہیں مقیم ہوگئے۔ دوسری جانب مسلسل مشق نے ارشد صاحب کو کم و بیش شاعری کی ہر صنف سخن میں طاق و مشاق کردیا۔ یوں تو ان کے شعر و سخن نظم گیت اور غزل منقبت و نعت کے کئی مجموعے شائع ہوئے۔ تاہم حمدیہ شاعری کی۔ انہوں نے منجملہ ۷۰ راصناف پر اپنے رب کی مدحت و حقانیت کے نغمے و اشعار تحریر کر کے ۳۷۶ رصفحات پر مشتمل مجموعہ ''ربِ کائنات'' کے نام سے لکھ ڈالا۔ اس شعری مجموعے میں ابتداء میں قلمکار کے شناختی اشاریے اور پیش لفظ کے علاوہ ملک و بیرون ملک کی کم و بیش ۱۷ رشخصیات کی کتاب اور ارشد مینا نگری کے قلم اور ان کی بیش بہا صلاحیتوں کے اقبال ناموں کے طور پر اپنے تاثرات قلمبند کئے ہیں۔ سہ ماہی ''عکس ادب'' کے مدیر اعلیٰ ڈاکٹر یوسف صابؔر کی ارشد صاحب سے گہری قربت رہی ہے اور انہوں نے ارشد صاحب کی شاعری پر اپنے تبصرے کو اس ایک سطر میں یوں سمیٹا ہے کہ ''نہ صرف مجموعہ 'رب کائنات' بلکہ ان کے کئی ضخیم شعری مجموعوں کی صورت میں ارشد مینا نگری نے اب تک جتنا کلام تحریر و تخلیق کیا ہے اسے مختلف عنوانات کے تحت پی ایچ ڈی کے کئی مقالے تحریر کئے جاسکتے ہیں۔ راولپنڈی پاکستان کے گورنمنٹ کالج کی پرنسپل ڈاکٹر اطہر شیخ نے لکھا ہے کہ یہ مجموعہ ایک نئی توانائی کے احساس کا موجد ثابت ہوا ہے۔ نیز لکھا ہے کہ ارشد صاحب کے کلام کے ہر پہلو کی خوبصورتی کو دیکھ کر ان کے مجموعوں کو بلاشبہ فنی روایتی روایت کے طور پر قبول کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ریاست بہار کے محمد رافع خان گھاوی نے ارشد صاحب کی اس کتاب پر تبصرے کو عنوان ہی تاجدار اردو دیا ہے اور مجموعہ ''رب کائنات'' کو اردو دنیا کے لئے ایک نادر و نایاب تحفے سے تعبیر کیا ہے۔

الغرض حمدیہ شاعری اور وہ بھی مختلف اصناف سخن میں کی گئی حمدیہ شاعری کا مطالعہ کرنے اور تحقیق کے طالب علموں کے لئے یہ کتاب ''رب کائنات'' انتہائی معاون و مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔ بہترین طباعت سے مزین اور مضبوط جلد و خوبصورت ٹائٹل سے سجی اس کتاب کی قیمت پانچ سو روپے رکھی گئی ہے اور اسے ان پتوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ (۱) ارشد مینا نگری سروے نمبر ۱۹، گھر نمبر ۵۱، مومن پورہ، مالیگاؤں۔ 423203 (۲) ارشد مینا نگری شاپنگ، پلاٹ ۲۸، سنجری چوک، اشرف نگر، دیانہ، مالیگاؤں ضلع ناسک (مہاراشٹر)

☆☆☆

کتاب کا نام : شاہکار (افسانوں کا مجموعہ)

افسانہ نگار : ابن آدم (8788182676)

اشاعت : ۲۰۲۳ء قیمت : ۱۵۰ روپئے

مبصر : ڈاکٹر یوسف صابؔر

مہاراشٹر ریاست کے بڑے ادبی مرکز مالیگاؤں (ناسک) کے مشہور و معروف ماہر ادب اطفال و رباعیات ڈاکٹر ابواسامہ ابن آدم اب ایک مستند افسانہ نگار بھی ہوچکے ہیں کیونکہ اُن کا ایک افسانوں کا مجموعہ ''شاہکار'' عنوان سے منظر عام پر آچکا ہے۔ شاہکار اس مجموعے کا ایک افسانہ بھی ہے۔ ۱۱۲ رصفحات کے افسانوں کے مجموعہ ''شاہکار'' میں جملہ ۱۳ رافسانے ہیں جن کے عنوانات اس طرح ہیں : (۱) کوٹ (۲) قالب (۳) ٹامی (۴) سایہ (۵) سچ (۶) بارش (۷) پاگل (۸) کھلاڑی (۹) شاہکار (۱۰) ٹی ہاؤس (۱۱) تائید (۱۲) درد آشنا (۱۳) چاچا۔ ان میں کچھ افسانے مختصر بھی ہیں۔ تقریباً سبھی افسانوں کے نام صرف ایک لفظ میں ہیں اور افسانوں سے مطابقت رکھتے ہیں۔ (باقی صفحہ ۳۷ پر)

اخبار عکسِ ادب

سہ ماہی ''اسباق'' اور ''عکس ادب'' (خصوصی گوشہ عظیم راہی) کا اجراء

بتاریخ ۲۸/ جنوری ، کتابی سلسلہ ''عالم گیر ادب'' (اورنگ آباد) کی اتوار کی منعقدہ میٹنگ میں صدر محترم اسلم مرزا کے مکان پر سہ ماہی ''اسباق'' اور سہ ماہی ''عکس ادب'' کا اجراء بالترتیب محترم پروفیسر شاہ حسین نہری اور محترم نورالحسنین کے ہاتھوں عمل میں آیا جبکہ اس تقریب کی صدارت محترم اسلم مرزا نے فرمائی۔ پروگرام کا آغاز محترم شاہ حسین نہری کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ پروفیسر شاہ حسین نہری، نورالحسنین اور احمد اقبال نے اظہارِ خیال کیا اور ان گوشوں کی اشاعت پر ڈاکٹر عظیم راہی کو مبارکباد پیش کی۔ اسلم مرزا نے ڈاکٹر عظیم راہی کو دلی مبارکباد دیتے ہوئے اپنے صدارتی بیان سے نوازا۔ اس پروگرام میں عالم گیر ادب کے دیگر اراکین میں احمد اورنگ آبادی، قاضی جاوید ندؔا اور وسیم راہی کے علاوہ ''عکس ادب'' کے مدیر محترم ڈاکٹر یوسف صابرؔ، امر اللہ اور محمد تفہیم الدین شریک تھے۔ واضح ہو کہ مدیر ''اسباق'' (نذیر فتح پوری پونا) نے ڈاکٹر عظیم راہی کی 'اسباق' میں شائع شدہ تخلیقات پر خصوصی گوشہ شائع کیا۔ جبکہ ڈاکٹر یوسف صابر نے ڈاکٹر عظیم راہی کے افسانچہ نگاری کے حوالے سے گوشہ شائع کیا۔ پروگرام کے آخر میں ڈاکٹر عظیم راہی نے 'عالم گیر ادب' کے احباب اور مدیران محترم نذیر فتح پوری اور ڈاکٹر یوسف صابرؔ کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کیا۔

معروف شاعر و ادیب سراج زیبائی مولانا ابوالکلام آزاد قومی ایوارڈ سے سرفراز

21/03/2024

ٹملناڈو کے مشہور شاعر و ادیب اور نقاد سراج زیبائی کی حالیہ تصنیف ''لہجوں کی مہک'' (حصۂ دوم) کو آندھرا پردیش کی جانب سے مولانا ابوالکلام آزاد قومی ایوارڈ برائے سال 24 - 2023 کے لئے انعام کا حقدار قرار دیا گیا۔ موصوف کی تاحال دس کتابیں منظر عام پر آ کر ارباب علم و دانش سے خراج پا چکی ہیں۔ آپ کی اکثر کتابوں کو اتر پردیش اردو اکیڈیمی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی، کرناٹک اردو اکیڈیمی، ٹملناڈو اردو تحقیقی مرکز، محمد زبیر ایوارڈ کے علاوہ دیگر متعدد ادبی اداروں نے انعام و اعزاز سے نوازا ہے۔ قومی ایوارڈ ملنے پر سبھی دوست و احباب نے انھیں مبارکباد پیش کی۔

شعری مجموعہ ''گلستان غزل'' کا اجراء

پربھنی: ۱۵/ مارچ (محمد یونس انور کے ذریعہ) علاقہ مراٹھواڑہ کے نامور شعراء کرام ڈاکٹر منیب حنفی، ضمیر، ڈاکٹر غازی اثر، انصاری جاوید کے عمدہ کلام پر مبنی شعری مجموعہ ''گلستانِ غزل'' کا رسم اجراء عمر کھیڑ ضلع ایوت محل میں بدست رکن اسمبلی پرکاش پاٹل ویوسر کے منعقد ہوا۔ یہ تقریب ایکتا الپ سنگھ سنگھٹنا کی جانب سے منعقد ہوئی۔ صدارت معروف شاعر ضمیر نذر نے کی ۔ نظامت انصاری جاوید نے بحسن وخوبی انجام دی۔ بعدازاں مشاعرہ میں مرہٹواڑہ کے نامور شعراء ڈاکٹر منیب حنفی، ڈاکٹر غازی اثر، انصاری جاوید نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ مشاعرہ کی نظامت جمیل ساحر نے کی۔ کنوینر مشاعرہ ڈاکٹر غازی اثر تھے۔

ساہتیہ اکادمی ایوارڈ پانے والی اردو کی دوسری خاتون مصنف

اس سال اردو میں ساہتیہ اکادمی انعام کے لئے صادقہ نواب سحر کا نام ان کے ناول ''راجدیو کی امرائی'' کے لئے منتخب کیا گیا۔ مقبول شاعر، کویز ماسٹر اور لوگوں کو اردو سے جوڑنے والی تحریکوں کے لئے مشہور حامد اقبال صدیقی کے مطابق صادقہ نواب سحر، قرۃ العین حیدر کے بعد دوسری خاتون ہیں جنھیں اردو میں ساہتیہ اکادمی ایوارڈ کے لئے منتخب کیا گیا۔ عینی آپا کو ۱۹۶۷ء میں ''پت جھڑ کی آواز'' پر ساہتیہ اکادمی ایوارڈ دیا گیا تھا۔

صادقہ نواب سحر کا ساہتیہ اکادمی ایوارڈ حاصل کرنا واقعی بڑی خبر ہے۔ ان کی پیدائش ۸/ اپریل ۱۹۵۷ء کو ہوئی تھی۔ بچپن سے انھیں لکھنے کا شوق تھا۔ پانچویں جماعت میں انھیں ٹیچر نے یہ احساس دلایا کہ اچھی شاعرہ بننے کی خوبیاں ان میں موجود ہیں۔ گھر پر والد نے حوصلہ بڑھایا۔ شادی کے بعد صادقہ نواب سحر کا ادبی سفر ان کے شوہر کی پذیرائی و حوصلہ افزائی کے باعث کامیابی سے جاری رہا۔ صادقہ اب تک ۱۳/ کتابیں لکھ چکی ہیں۔ ان میں تین ناول، دو افسانوی مجموعے، ایک ڈراموں کا مجموعہ اور پانچ شعری مجموعے ہیں۔ صادقہ کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان کی ہر کتاب کے ترجمے ہوئے ہیں۔ ان کی کتابوں کے ہندی، انگریزی، تمل، پنجابی سمیت آدھا درجن سے زیادہ زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ صادقہ نواب سحر پر کئی رسائل کے خصوصی نمبر شائع ہو چکے ہیں۔ نام و شہرت کے باوجود ان میں بڑی انکساری ہے۔ لکھنے کے تئیں ان کا جوش ابھی کم نہیں ہوا ہے۔

☆☆☆

ناگپور یونیورسٹی میں انشائیہ ورک شاپ کا انعقاد

ناگپور۔ ۱۸/ جنوری ۲۰۲۴ء۔ اس ورکشاپ کے خصوصی مقررین معروف انشائیہ نگار ڈاکٹر محمد اسد اللہ اور افسانہ نگار ڈاکٹر یحییٰ جمیل نے دوسرے اجلاس میں انشائیہ نگاری کے آغاز و ارتقا، مغرب میں انشائیہ نگاری، عہدِ سرسید اور آزادی کے بعد انشائیہ نگاری، انشائیے کے اجزائے ترکیبی اور اس صنف کے فنی تقاضوں پر تفصیل سے گفتگو کی۔ ڈاکٹر یحییٰ جمیل نے کہا کہ ڈاکٹر وزیر آغا نے انشائیہ نگاری کو ایک تحریک کی شکل دی اور اس صنف کو مغربی ایسّے کے طرز پر اردو میں تخلیقی بنیادیں فراہم کیں۔ انشائیہ غیر افسانوی ادب کی ایک اہم صنف ہے۔ یہ ہمارے خیالات اور احساسات کے ادبی اظہار کا ایک بہت موثر ذریعہ ہے۔ انشائیہ ورک شاپ کے دوسرے اجلاس میں یونیورسٹی کے طلبہ نے انشائیے کے فکر و فن سے متعلق سوالات کئے، مقررین نے ان کے مفصل جواب دیئے۔ اسی اجلاس میں طلبہ نے مختلف موضوعات پر انشائیے تحریر کئے جن پر مہمانوں نے اظہارِ خیال کیا اور طلبہ کی رہنمائی فرمائی۔ صدرِ جلسہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ اس قسم کے ورکشاپ میں ماہرین اساتذہ کی تقاریر طلبا کے لیے مطالعے سے زیادہ کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔ انشائیہ کی تخلیق میں انسانی مشاہدات اور احساسات کے فنی اظہار کے بہتر امکانات موجود ہیں۔ اس ورک شاپ میں ڈاکٹر شائستہ تبسم، ڈاکٹر صبیحہ خورشید، ڈاکٹر سمیہ افشاں، ڈاکٹر عصمت کوثر، ڈاکٹر مہر یاسمین، ڈاکٹر ترنم نیاز، محترمہ گل افشاں انجم، اور محترمہ ثنا بانو کے علاوہ یونی ورسٹی کے طلبہ و طالبات کی کثیر تعداد موجود تھی۔ نظامت کے فرائض ڈاکٹر ثمیر کبیر نے انجام دئے اور ڈاکٹر ترنم نیاز نے رسم شکریہ ادا کی۔

ڈاکٹر ثمیر کبیر (کنوینز ورکشاپ)

سٹی کالج کے ڈاکٹر شاہ ایاز کی کتاب کو مہاراشٹر اردو اکیڈمی کا ایوارڈ

12/03/2024 ۔ مہاتما گاندھی ودیا مندر کے زیر اہتمام قلبِ شہر میں جاری آرٹس کامرس اینڈ سائنس کالج قدوائی روڈ مالیگاؤں المعروف سٹی کالج پرنسپل ڈاکٹر عارف انجم سر کی سرپرستی میں خوب سے خوب تر کی جانب گامزن ہے۔ گزشتہ دنوں صدر شعبۂ اردو فارسی ڈاکٹر مبین نذیر نے ممبئی یونیورسٹی میں شہر کے دیگر قلم کاروں کے ساتھ شریک ہوکر شہر کی نمائندگی کی۔ ڈاکٹر الیاس وسیم صدیقی پر ان کا مضمون موقر عالمی جریدے اردو دنیا میں مارچ ۲۰۲۴ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ اسی سلسلے کو ڈاکٹر شاہ ایاز سر نے آگے بڑھایا۔ ڈاکٹر شاہ ایاز سر کے اولین افسانوی مجموعہ ''پتھر میں جونک'' اور دیگر افسانے کو مہاراشٹر اسٹیٹ اردو ساہتیہ اکیڈمی ممبئی نے سال ۲۰۲۲ء کے ادبی اعزاز کے لیے منتخب کیا ہے۔ کسی افسانہ نگار کے اولین مجموعے کا اس باوقار اعزاز کے لیے منتخب ہوجانا قابل رشک ہے۔ اس غیر معمولی کامیابی پر پرنسپل ڈاکٹر عارف انجم سر، وائس پرنسپل ڈاکٹر شکیب احمد سر، فزیکل ڈائریکٹر ڈاکٹر رضوان خان سر، صدر شعبۂ اردو فارسی ڈاکٹر مبین نذیر سر اور تمام تدریسی وغیر تدریسی عملے نے ڈاکٹر شاہ ایاز کو مبارک باد پیش کی۔ رپورٹ: ڈاکٹر مبین نذیر

انجمن محبانِ ادب اور سٹی کالج کے اشتراک سے افسانوی نشست

انجمن محبانِ ادب اور سٹی کالج کے اشتراک سے منعقدہ یہ افسانوی نشستیں زبان وادب کی حفاظت اور ترویج و اشاعت کا اہم ذریعہ ہیں۔ قلم کاروں کو چاہیے کہ وہ تخلیق کے ساتھ ہی مطالعہ بھی جاری رکھیں۔ مطالعہ تخلیق کو معیار عطا کرتا ہے۔ اس سے قلم کار کے علم و آگہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ وہ دیگر زبانوں اور علاقوں کے ادب سے بھی واقف ہوتا ہے۔ ان طویل تمہیدی کلمات سے اپنے صدارتی خطبے کا آغاز آکاش وانی جلگاؤں کے سابق ریڈیو جاکی جاوید انصاری نے کیا وہ انجمن محبانِ ادب اور سٹی کالج کے شعبہ اردو فارسی کے اشتراک سے منعقدہ ماہانہ افسانوی نشست میں حاضرین سے مخاطب تھے۔ اس نشست میں کالج کے پرنسپل ڈاکٹر عارف انجم اور فزیکل ڈائریکٹر ڈاکٹر رضوان خان بنفس نفیس موجود تھے۔ ڈاکٹر عارف انجم نے اپنی گفتگو میں اردو زبان وادب سے اپنے دیرینہ لگاؤ کا اظہار کیا اور کہا کہ سٹی کالج کے توسط سے اردو زبان وادب کی ترویج واشاعت کا سلسلہ جاری رہے گا۔ افسانوی نشستوں کے علاوہ بھی ہم دیگر تقاریب کے انعقاد کا ارادہ رکھتے ہیں جس کے متعلق عنقریب تفصیلات فراہم کی جائیں گی۔ انھوں نے صدر و اراکین انجمن محبانِ ادب کو تین دہائیوں سے اردو افسانے کی ترویج پر متعدد مرتبہ مبارک باد دی۔ اس نشست میں پریس فار پیس پبلی کیشن کے عالمی افسانوی فورم پر عظمت اقبال کو تیسرا انعام ملنے پر جمہور ہائی اسکول کے زاہد یوسفی اور ان کے رفقائے کار کی جانب سے عظمت اقبال کا استقبال بھی کیا گیا۔ عظمت اقبال نے انجمن محبانِ ادب اور ادارہ نثری ادب کا شکریہ ادا کیا کہ ان ہی نشستوں میں میری تربیت ہوئی ہے۔ یہاں کیے جانے والے تجزیے و تبصرے نگارشات کو تراش خراش کر نکھار دیتے ہیں۔ نشست میں صادق اسد نے افسانہ گائیڈ، عزیز الرحمٰن ماہی نے کتے اور عظمت اقبال نے عورت کہیں کی، پیش کیا۔ تینوں افسانوں پر مفصل تبصرہ و تجزیہ کیا گیا۔ سامعین نے تخلیق کے ساتھ تنقید و تبصروں کا بھی لطف اٹھایا۔ صدر شعبہ اردو فارسی ڈاکٹر مبین نذیر کی تلاوت سے نشست کا آغاز ہوا۔ مہمانوں اور قلم کاروں کا تعارف صدر انجمن محبانِ ادب ہارون اختر نے پیش کیا۔ رسم شکریہ ڈاکٹر مبین نذیر نے ادا کی۔ نعیم سلیم سر نے بورڈ کی جاذب نظر تزئین و آرائش کی اور نظامت کے فرائض بھی احسن طریقے سے انجام دیئے۔ طاہر انجم صدیقی، ہارون اختر، ڈاکٹر مبین نذیر اور نعیم سلیم وغیرہ نے تبصرے میں حصہ لیا۔ اسی طرح کی رپورٹ ڈاکٹر مبین نذیر کی جانب سے موصول ہوئی ہے۔

☆☆☆

خلوصِ عکسِ ادب

۲۸/جنوری ۲۰۲۴ء

محترم ڈاکٹر یوسف صابرؔ صاحب

سلام و نیاز۔ ''عکس ادب'' کا تازہ شمارہ نظر نواز ہوا۔ آپ نے افسانچہ نگاری کے تناظر میں خصوصی گوشہ ترتیب دے کر مجھے شکریہ کا فریضہ ادا کرنے کا موقع دیا ہے۔اس اعتراف کے لئے میں آپ کا تہہ دل سے ممنون ومشکور ہوں۔ آپ نے اِس گوشہ میں صنف افسانچہ میں میرے تخلیقی، تحقیقی وتنقیدی کاموں کا مختصر مگر جامع انداز میں جائزہ لیا ہے۔ممتاز اہل قلم کے تاثرات، مضامین اور تبصرے شامل کر کے اس گوشہ کو اچھے انداز میں پیش کیا ہے اور اِس طرح افسانچہ نگاری کے میدان میں میری کارگذاریوں اور سرگرمیوں کا بھی احاطہ کیا ہے۔اِس سلسلہ میں یادگار لمحات کے تحت چند تصویروں کا انتخاب بھی خوب ہے۔ یہ سب آپ کی ادارت کا کمال ہے۔ اِس گوشہ کی اشاعت کے لئے ایک بار پھر تہہ دل سے آپ کا ممنون ہوں۔شمارے میں شامل دیگر مشمولات پر بعد میں تفصیلی تاثرات لکھوں گا۔ فی الحال اِس گوشہ کی اشاعت پر آپ کا بہت بہت شکریہ۔

فقط مخلص

ڈاکٹر عظیم راہی (اورنگ آباد) 9370992203

☆

۲۱/جنوری ۲۰۲۴ء

جناب ڈاکٹر یوسف صابر صاحب

ایڈیٹر سہ ماہی ''عکس ادب'' اورنگ آباد

السلامُ علیکم

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔''عکس ادب'' کا تازہ شمارہ دسمبر کے آخر تک آجائے گا، آپ کے زبانی پتہ چلا کہ آپ آئندہ ''عکس ادب'' کا گوشہ ''مراٹھواڑہ کے منتخب شعراء'' شائع کر رہے ہیں۔ یہ ہمارے لیے خوشی کی بات ہے۔ ہماری آنے والی نسلیں ہمارے اسلاف کے کارناموں سے واقف ہوں گی۔آج کے اس تیز رفتار زمانے میں آپ نے توجہ فرمائی ہے یہ بات ہمارے لیے باعث افتخار ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کے حوصلے اور ہمت کو استقامت عطا فرمائے۔آپ بغیر کسی صلے کے اردو زبان وادب کی ترقی وبقا کے لئے جی جان سے جو سعی کر رہے ہیں۔ وہ قابل تعریف ہے۔آپ کے حوصلے کو دل سے سلام۔آپ نے ''عکس ادب'' کو قلیل مدت میں ترقی کی بلندیوں پر پہنچایا ہے یہ آپ کی شب وروز محنتوں کا نتیجہ ہے۔آپ بہت بہت مبارک باد قبول فرمائیں۔ ایک چھوٹا سا مشورہ ہے کہ آپ مستقبل میں ''عکس ادب'' کا مراٹھواڑہ کے منتخب افسانچہ نگاروں کا گوشہ ترتیب دیں۔مناسب ہوگا آج افسانچے بہت لکھے جا رہے ہیں اور پڑھے بھی جا رہے ہیں۔غور فرمایئے۔ میں مراٹھواڑہ کے منتخب شعراء کے گوشہ کے لیے تعارف، پانچ غزلیں اور فوٹو ارسال خدمت کر رہا ہوں، پسند آجائے تو شرف قبولیت سے نوازیئے گا۔

ارشد صدیقی۔بیڑ (مہاراشٹر)

موبائل: 8999434891

☆

۷/مارچ ۲۰۲۴ء

ڈاکٹر یوسف صابرؔ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

''عکس ادب'' آپ کے لئے میری دو غزل ارسال کی ہیں اگر آپ کو پسند آئے تو رسالہ میں اشاعت فرمائیں۔آج آپ کے نام مبلغ دوسو روپے (فون پے) کے ذریعے ارسال کیا ہوں۔امید ہے کہ مل گئے ہوں گے۔مہربانی فرما کر اطلاع دیں رسالہ عکس ادب میرے نام جاری رکھیں۔ والسلام

کے انیس اظہر (بڑی پیٹ وانمباڑی)

9003858940

☆

۲۶/مارچ ۲۰۲۴ء

آپ کے زیرادارت شائع ہونے والا سہ ماہی رسالہ ''عکس ادب'' کی میں بھی رکنیت لینا چاہتا ہوں۔ میرے یہاں بہت سے ادبی رسائل آتے ہیں اور مختلف رسائل میں میرا کلام بھی شائع ہوتا رہتا ہے۔ میں نے فیس بک پر کسی کی پوسٹ پر دیکھا تھا سہ ماہی ''عکس ادب'' کا حوالہ۔ میں چاہتا ہوں ایک بار میرا بھی کلام سہ ماہی ''عکس ادب'' میں شائع ہو۔ میں ایک سال کا زرتعاون (مع رجسٹرڈ پوسٹ) ادا کرنا چاہتا ہوں۔جس سے ''عکس ادب'' بذریعہ ڈاک مجھے موصول ہوتا رہے اور میرے ادبی ذوق کی تسکین ہوتی رہے۔ یاسین انصاری (اٹاوہ۔یوپی)

☆

مورخہ ۱۸/جنوری ۲۰۲۴ء

ڈاکٹر یوسف صابرؔ مدیر سہ ماہی عکسِ ادب اورنگ آباد

محترمی السلام علیکم

عرض یہ کہ راشٹر سنت تکڑوجی مہاراج ناگپور یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کی جانب سے 'انشائیہ نگاری' پر ایک روزہ سیمینار منعقد کیا گیا، اس کی رپورٹ اور تصویر ارسال کر رہا ہوں۔امید کہ اپنے موقر رسالے عکسِ ادب میں اسے شائع کر کے ممنون فرمائیں گے۔

نیازمند۔ ڈاکٹر ثمیر کبیر (ناگپور)

☆☆☆

Quaterly Aurangabad
AKS-E-ADAB (Urdu)
email- akseadab@gmail.com

January to March 2024
MAHURD02321/13/1/2012-TC-Declaration Date : 21-09-2012
www.aksadaburdu.co.in

ISSN 2320-6519
Volume 13 Issue 46
U.G.C. Approved No.42266 (Ex.)

ڈاکٹر مسرت فردوس کو ادارۂ "ندائے نسواں" کی جانب سے بتاریخ ۱۷؍فروری ۲۰۲۴ء کو اردو گھر ناندیڑ میں تحقیقی خدمات کے لئے **ایوارڈ**

خصوصی گوشہ منتخب شعرائے مراٹھواڑہ "عکس ادب" کا اجراء و مشاعرہ

پربھنی: ۸؍مارچ (محمد یونس انور) پربھنی کے معروف شاعر و ادیب ڈاکٹر منیب حنفی اور جاوید انصاری کی کنویز شپ میں گلشن صغریٰ، کڑوی منڈی (پربھنی) میں سہ ماہی "عکس ادب" (خصوصی گوشۂ شعرائے مراٹھواڑہ) کا اجراء و مشاعرہ کا انعقاد عمل میں آیا۔ خضر احمد شرؔر کی تلاوتِ کلامِ پاک سے اس پروگرام کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد ماہر علم عروض شاعر شفیع احمد شفیع نے حمد پاک سنائی اور نوجوان شاعر مصعب الرحمٰن نے نعت شریف دلکش ترنم میں پیش کی۔ اس مشاعرہ و اجراء کے صدر معروف استاد شاعر عبدالواحد جاذبؔ اور مہمانانِ خصوصی ڈاکٹر یوسف صابر، ڈاکٹر نور الامین اور صحافی محمد یونس انور کا شایانِ شان استقبال کیا گیا اور دیگر تمام شعراء کو اور شرکاء کو پھول پیش کئے گئے۔ اس کے بعد "عکس ادب" کا اجراء صدر اجلاس عبدالواحد جاذبؔ و خصوصی مہمانان کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ بعدازاں باضابطہ مشاعرہ کا آغاز ہوا۔ اس مشاعرے کی نظامت ارشاد ضیاء نے نہایت خوش اسلوبی سے کی۔ اس مشاعرے میں جن شعراء نے اپنا منتخب کلام پیش کر کے داد و تحسین حاصل کی، ان کے نام اس طرح ہیں: رضی الدین رضؔی، مصعب الرحمٰن، طٰہٰ صدیقی، انصاری جاویؔد، ڈاکٹر منیب حنفی، طاہر حسین طاہؔر (ناندیڑ)، خضر احمد خان شرؔر، شفیع احمد شفیؔع، ڈاکٹر یوسف صابؔر (مدیر "عکس ادب") اور صدر مشاعرہ عبدالواحد جاذبؔ۔ اس پروگرام میں ڈاکٹر نور الامین و صحافی یونس انور نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر یوسف صابؔر کی صحافتی خدمات کو سراہا۔ جاوید انصاری کے شکریہ پر پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

بس تھوڑا اور انتظار
عنقریب منظر عام پر

Publisher, Editor & Owner Dr. Yousuf Khan Jabbar Khan (Dr. Yousuf Sabir), Printed at Noorani Press, Mirza Ghalib Road, Near Juna Faran Hospital, Malegaon-324203, Dist. Nasik (MS) and published at P.No.174, S.No.201, Savera Park, Behind Ibrahim Masjid, Jatwada road, Harsul, Aurangabad-431008 (MS)

Quaterly Aurangabad
AKS-E-ADAB (Urdu)
email- akseadab@gmail.com

January to March 2024
MAHURD02321/13/1/2012-TC-Declaration Date : 21-09-2012
www.aksadaburdu.co.in

ISSN 2320-6519
Volume 13 Issue 46
U.G.C. Approved No.42266 (Ex.)

ماہنامہ ”ندائے نسواں“ کا اجراء اور جلسۂ اعتراف خدمات کا انعقاد

”دکن کی تاریخی حیثیت کی طرح ناندیڑ کا نام ادب پروری میں نمایاں نظر آئے گا“ (خواجہ کوثر حیات)

.ناندیڑ (راست) ۱۷رفروری ۲۰۲۴ء بروز سنیچر ناندیڑ کے ”اردو گھر“ میں کوثر اکیڈمی کے توسط سے ماہنامہ ”ندائے نسواں“ کا اجراء صدرِ جلسہ مہیلا مہاودیالیہ ناندیڑ کی پرنسپل وجیہ دیشمکھ صاحبہ کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ پروگرام کا آغاز ہادیہ امرین محمد اشفاق کی تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ تمام مہمانان کا استقبال شال وگل پیش کر کے کیا گیا۔ ماہنامہ ”ندائے نسواں“ کی مدیرِاعلیٰ فہیم خاتون مسرت نے اپنے ابتدائی کلمات میں رسالے کی ضرورت وافادیت پر روشنی ڈالی۔ اس پُر وقار تقریب میں فرحت سلطانہ صاحبہ (سابق پرنسپل مدینۃ العلوم ہائی اسکول و جونیئر کالج ناندیڑ)، ڈاکٹر مسرت فردوس صاحبہ (سابق ایچ او ڈی بابا صاحب امبیڈکر مراٹھواڑہ یونیورسٹی) ڈاکٹر صالحہ کوثر صاحبہ (گائنا کالوجسٹ پربھنی) مبشرہ فردوس صاحبہ (جماعت اسلامی خواتین ونگ چیر پرسن اورنگ آباد) رخسانہ نازنین صاحبہ (مدیرِاعلیٰ جریدہ النساء بیدر، کرناٹک) اور فاطمہ جلیل صاحبہ (صدر معلّمہ مدینۃ العلوم تحتانیہ نسواں، منڈھائی ناندیڑ) کو علمی، ادبی وسماجی خدمات کے صلہ میں ادارۂ ندائے نسواں کی جانب سے اعزاز سے نوازا گیا۔ اس پروگرام میں ڈاکٹر شبانہ درّانی صاحبہ (صدر شعبۂ اردو، یشونت کالج ناندیڑ) ہما کوثر (اسوسیٹ پروفیسر و صدر شعبۂ اردو مہیلا کالج ناندیڑ) خواجہ کوثر حیات (صدر معلّمہ فاطمہ گرلز پرائمری اسکول، اورنگ آباد) ثمینہ انجم صاحبہ (سابق پرنسپل مدینۃ العلوم ہائی اسکول و جونیئر کالج ناندیڑ) نے بطور مہمانانِ خصوصی شرکت کر کے اس جلسے کو وقار بخشا۔ اس جلسے میں ندائے نسواں کی جانب سے جونیئر کالج و سینئر کالج کی طالبات میں چار مختلف عناوین پر مقابلۂ مضمون کا انعقاد کیا گیا تھا اس میں مہیلا مہاودیالیہ یشونت کالج اور وی کے کالج سے طالبات نے حصہ لیا۔ بہترین مضامین کو انعامات سے نوازا گیا۔ کوثر اکیڈمی کی روح رواں روحی ہاشمی صاحبہ نے ندائے نسواں کے لئے کی جانے والی کاوشوں کو سراہا۔ خواجہ کوثر حیات صاحبہ نے شہر ناندیڑ کی ادبی سرگرمیوں کو سراہتے ہوئے لڑکیوں کی حوصلہ افزائی کی۔ ڈاکٹر مسرت فردوس صاحبہ نے ندائے نسواں کو بہترین شروعات قرار دیا۔ ڈاکٹر صالحہ کوثر نے خواتین کے طبی مسائل پر مفید مشورے دیئے۔ فاطمہ جمیل صاحبہ نے اصلاحِ معاشرہ پر بیان دیا۔ وجیہ دیشمکھ صاحبہ نے اپنے صدارتی خطبے میں مدیرِاعلیٰ ندائے نسواں فہیم خاتون صاحبہ کے لئے تعریفی کلمات کہے اور اپنے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ آخر میں سعدیہ خانم صاحبہ (رکن مجلس ادارت ندائے نسواں اورنگ آباد) نے صدر صاحبہ، تمام مہمانان اور شرکاء کا شکریہ ادا کیا اور صدر سے اجازت لے کر پروگرام کے خاتمے کا اعلان کیا۔

Publisher, Editor & Owner Dr. Yousuf Khan Jabbar Khan (Dr. Yousuf Sabir), Printed at Noorani Press,
Mirza Ghalib Road, Near Juna Faran Hospital, Malegaon-324203, Dist. Nasik (MS) and published at
P.No.174, S.No.201, Savera Park, Behind Ibrahim Masjid, Jatwada road, Harsul, Aurangabad-431008 (MS)